لُغات العزا

ڈاکٹر اسد اریب

لُغات العزا

ڈاکٹر اسد اریب

انتساب:

اس محنت طلب کام کو اپنے محبّ و مخلص عزیزان ڈاکٹر کاظم حسین لابر اور چوہدری نثار احمد سے منتسب کرنا چاہتا ہوں، اگر وہ مان جائیں کہ ''لغات العزا'' کے اس ایڈیشن میں ارادے سے تکمیل تک میرے ''جی ہاں'' کہلوانے سے کتاب کی جلد بندی اور انٹرنیٹ پر لانے تک سب انہی کا کرم ہے۔

لُغات العزا
یا
تہذیب غم کی اصلاحات ورسوم
کا
تھے۔سا+رَس

میں نے اردو شعر وادب کے مجموعی مطالعہ کے بعد اور زبان کے روزمرہ کوسن کر یہ تاثر قائم کیا کہ تہذیب غم کی ایسی لفظیات کو لغات العزا کے طور پر یکجا کیا جائے۔ یہ ترکیب لفظی "تہذیب غم" میں نے سب سے پہلے اپنے دانشور دوست احمد ہمیش سے سنی تھی، جسے میں نے اپنی اس کتاب کا نام بھی بنا لیا اور موضوع بحث بھی۔اس باب میں میرا عقیدا یہ ہے کہ ہماری شعری لسانیت کے علاوہ، عمومی بول چال اور روزمرہ کی زبان میں بھی ایسے الفاظ اپنی مخصوص معنویت کے ساتھ داخل ہو گئے، جن کا لغوی پہلو ہرگز وہ نہ تھا، جن معنوں میں انہیں رواج دیا گیا۔ظاہر ہے یہ سب کچھ اس تہذیبی تسلط کا منطقی نتیجہ تھا جو برصغیر میں "تہذیب غم" کے اثرات سے پیدہ ہوا۔ یہ سب وہ لفظیات جن کا براہ راست تعلق کسی نہ کسی صورت تذکرہ اہل بیت سے ضرور قائم ہوتا ہے۔

سوال خدا، ہزاری روزہ جیسی اور بہت سی لفظیات شیعی تہذیب کے مقررہ معنوں میں زبان اردو نے قبول کرلیں، جیسے حصہ بمعنی مجلس حسین کا تبرک، عشرہ بمعنی محرم کے دس دن، عاشورہ یا عاشور بمعنی محرم کی دسویں کا دن، زنانی مجلس بمعنی عورتوں کی مجلس۔ مجلس حسین بمعنی مجلس عزائے حسین، مرثیہ بمعنی مرثیہ حسین، یا جیسے نذر اللہ کے ساتھ نیاز حسین کا لاحقہ یا کونڈے بمعنی ۲۲ رجب کی نیاز، وغیرہ۔ یہ سب ایسے لفظ ہیں جو اپنی لغت سے باہر نکل کر آج اپنے ان اصطلاحی معنوں میں استعمال ہو رہے ہیں جنہیں ذکر اہل بیت کے ذریعے عام ہونے کا موقع ملا۔

اردو ادب پر اس تہذیب کے اثرات اس حد تک غالب آئے کہ زبان کے لسانی پیرہن پر بھی اس کے نقش کندہ نمایاں ہونے لگے۔ یہ نقوش اس قدر عمدگی سے زبان کے قالب میں بٹھائے گئے کہ اب ان کی باریک تہوں میں اترے بغیر ان کی حقیقت اصل کا پتا نہیں کیا جا سکتا۔ بعض لفظ اصطلاحیں اور تلمیحیں جن کا خاص الخاص تعلق تہذیبِ غم سے تھا ہماری بول چال، روزمرہ اور لغت کا حصہ بن کر رہ گئیں۔ بعض لفظ اپنی مخصوص معنویت کے ساتھ استعمال میں آنے لگے، جیسے ''جناب'' کا لفظ مخصوص اصطلاح میں شیعہ مجتہد کے لئے صَرف زبان میں روزمرہ کا حصہ بن گیا۔ نظیر اکبرآبادی کہتے ہیں:۔

کہتے ہیں جس کو زندگی ۔ دم کی ہوا ہے اے نظیر
ہم کو تو آج کھل گیا ۔ عقدہ یہ اک ''جناب'' سے

یا، میر کا جیسے یہ شعر ؎

مُرغان باغ نے مجھے گھیرا ہے اس طرح
ماتم زدوں کے حلقے میں جُوں نوحہ گر رہے

خاص طور پر لکھنؤ کی زبان نے اُردو کے بعض ایسے لفظوں کو روزمرہ کا حصہ بنا دیا جن کا تعلق بالخصوص تہذیب غم اور اس کی مجلسی زندگی سے تھا۔ مثلاً ناسخ کا ایک شعر ملاحظہ کیجئے۔

میں اکیلا اپنے غم کی شرح کر سکتا نہیں
کوئی مثل مرثیہ خواں چاہئے بازو مجھے

یہ ایسی لفظیات ہیں جو تہذیب غم کے اثر سے زبان میں داخل ہوئیں اور اب وہ زبان کا باقاعدہ حصہ ہیں۔ انہی سکہ بند لفظوں میں مرثیہ خواں اور مداحی، یا مداح کے لفظ بھی ہیں۔ سودا نے اپنے مشہور واسوخت میں دلّی کا حال اور امیروں کی بارگاہیں اُجڑ جانے کے حوالے سے کہا ہے کہ اب تو مرثیہ خوانوں اور مداحی کرنے والے مقبول عام اور ذی رتبہ صاحب کمالوں کو بھی کوئی نہیں پوچھتا۔ سودا کہتے ہیں:۔

جب نام خدا پیسے نکالے کوئی نواب
تب اس کی سفارش میں بھی اک رقعہ خواں ہے
مضمون یہی رقعے کا کچھ دیجئے اس کو
مداح اماموں کا ہے اور مرثیہ خواں ہے

اس تہذیب کی ایسی خاص لفظیات، اصطلاحات و تلمیحات، اردو ادب و شعر میں بہت نمایاں ملتی ہیں۔ بالخصوص مرزا رفیع سودا نے ایسے الفاظ کو عمدہ تصرفات کی شکل دی ہے۔ یہ وہ لفظیات ہیں جن کا تعلق ایک خاص زُمرہ عقائد سے ہے اور یہ اپنی ایک خاص معنویت رکھتی ہیں، جیسے ''قصیدۂ در تضحیک روزگار'' کے یہ تصرّفات

لفظی:

خاک پاک/ خاک شفا،	:بمعنی: کربلا کی مٹی۔
خاکِ پاک کی تسبیح،	:بمعنی: کربلا کی خاک سے بنی ہوئی تسبیح۔
مُحِب،	:بمعنی: محبِ اہلِ بیت۔
خارجی،	:بمعنی: مخالف اہلِ بیت۔
نذر امام،	:بمعنی: امام حسین کے نام پر نذر و خیرات کرنا۔

سودا اپنے مشہور مُخمّس ''شہر آشوب'' میں ایک مضمون باندھتے ہوئے کہتے ہیں کہ دلّی کی بربادی فقط شہر کے در و دیوار، محلّات و مقامات کی بربادی نہیں، یہ تو ایک تہذیب و تمدن کی مکمل پامالی کا عمل ہے۔ وہ کہتے ہیں: دیکھو کسقدر ستم کی یہ بات ہے کہ جس شہر میں، شرافت نسب، احترام سیادت کا یہ حال تھا کہ سلاطین و امراء بھی ایسے نجیب الطرفین لوگوں کی توقیر میں سر جُھکاتے تھے، اب وہاں یہ عالم ہوا کہ نجابت و سیادت کا شرف رکھنے والی یہ خواتین بھی بھوک، غربت اور تنگدستی سے بے حال ہو کر ،در بہ در اور خاک بہ سر ہیں۔

طلبِ حاجت کے لئے انہوں نے دست سوال دراز کر لیے ہیں۔ برقعہ اوڑھے گھروں سے باہر نکل آئی ہیں، ہاتھوں میں اُن کے تسبیح خاک کربلا کی ہے۔اور حُسنِ طلب کے طور پر کہتی ہیں کہ خاک شفا کی یہ تسبیح جوکوئی مول لےتو ہمارے حال پر بڑا احسان کرے: اُن کی سیادت اور تقدیس نسب کا کوئی احترام کرنے والا اگر مومن ہوا تو اُن کے اس حُسنِ طلب پر بہ نذرِ امامؑ مہربانی وعطا سے کام لیتا ہے،لیکن اگر کوئی خارجی ہےتو ہزار بہانوں،اور جھوٹے حیلوں سے اِنہیں ٹال دیتا ہے:

سودا فرماتے ہیں:

نجیب زادیوں کا اِن دنوں ہے یہ معمول،
وہ برقعہ سر پر ہے، جس کا قدم تلک ہے طول
ہے ان کی گود میں لڑکا، گلاب کا سا پھول
اور اِن کے حسن طلب کا، ہر ایک سے یہ اصول
''کہ خاک پاک کی تسبیح ہے۔ لیجئے جو مول''

اگر محبّ ہوا مستمع تو سُن کر یہ نام
دیا کچھ اُس نے بہ مقدور کر کے نذرِ امام

پڑا جو شامت طالع سے، خارجی سے کام
دروغ و راست کا لایا وہ درمیاں میں کلام
یہ آ گے اور چلیں کہہ کے زیرِ لب ، ''لاحول''

تقریباً ایسی ہی لفظیات ''ریختی'' گویوں کے ہاں بھی پائی جاتی ہیں:

عورتوں کی زبان، اُن کے لب و لہجے اور روزمرّہ میں کہی ہوئی شاعری ریختی کہلاتی ہے۔ سعادت یار خاں رنگین، جرأت، انشاء اور جان صاحب کو اس طرزِ خاص کا امام کہا جاتا ہے۔ ریختی کی زبان میں بھی ایسے بہت سے اشعار مل جاتے ہیں جن میں کربلا کے واقعات، دشمنانِ اہل بیت سے بریّت اور دوستداری اہل بیت کے مضامین کو بیان کیا گیا ہے۔ اِن شعراء میں جان صاحب کو اس صنف سخن کا آخری امام سمجھا گیا ہے۔ اِن کے بعد یہ صنف سخن ختم ہو کے رہ گئی۔ جان صاحب کا اصل نام میر یار علی جان ہے۔ جان صاحب میر امن کے فرزند ہیں، ۱۸۹۷ء میں انتقال کیا۔

ریختی کی زبان میں یہ مضمون اُن کا ملاحظہ کیجئے ؎

اے بُوا میں نہ ہوئی حضرت شبّیر کے ساتھ
زہر دے دیتی موئے شمر کو شمشیر کے ساتھ

اس زبان کے نتیجے میں بہت سے ایسے لفظوں نے جنم لیا، جن کا تعلق ولائے اہل بیت سے جا ملتا تھا۔ ان میں بعض ایسے الفاظ واعلام بھی ہیں جو آج ہماری روزمرّہ زبان کا حصہ بن گئے:

اگر ہم زیرِ نظر موضوع کی ایسی مرادف لفظیات کو یکجا کر دیں تو ، اِن اصطلاحات ورسوم کی اس لغت کو زیادہ قابلِ قبول اور وسیع تر معنوں میں ''تہذیبِ غم'' کا ''تھیسارس'' کہا جا سکتا ہے۔

لُغات العزا

بات یہ ہے: جب کوئی تہذیب، کسی اجتماعی معاشرت میں اپنی علاحدہ جگہ بنا لیتی ہے، اُس کے خدوخال بھی الگ تھلگ، دوسروں سے بالکل مختلف نظر آنے لگتے ہیں، لباس، غذا، ادب، آداب، نشست، برخواست، بول چال، رہن سہن بلکہ مذاق طبیعت بھی اپنی ایک علاحدہ چھب دکھانے لگتا ہے۔ لیکن یہ محض اسی وقت ممکن ہے جب اُس تہذیب کو پنپنے، پھلنے پھولنے اور رسنے بسنے کے امکانات بہ آسانی میسر آ سکیں۔ عموماً یہ اس وقت ممکن ہوتا ہے جب اُس نمود پذیر تہذیب کو اپنی ریاست،

حاصل ہو یا اشرافیہ کا سایہ اقتدار ملے یا بصورتِ دیگر معاشرت پر اجتماعی تسلط اور غلبہ کثرت حاصل ہو۔

مغل حکومت کے عہد زوال، اٹھارویں صدی عیسوی کے شروع عرصے میں، برّصغیر پر، جو حکمران اپنی الگ ریاستیں لے کر جا بیٹھے، اُن میں سعادت علی برہان الملک کا اقتدار فیض آباد، لکھنوٗ اور اودھ کے علاقوں میں قائم ہوا۔ اس اقتدار کے نتیجے میں شیعہ عقائد کو پھلنے پھولنے کا بہت زیادہ موقعہ ملا۔ بالخصوص جب یہ لوگ فیض آباد سے لکھنوٗ منتقل ہوئے، دولت کی فراوانی ہُوئی، علماء، شعراء، اہل قلم اور اہل خیال، اطرافِ ہند کے اِدھر اُدھر سے یہاں آ جمع ہوئے، تب زبان، لہجے اور عام بول چال کا رنگ بھی خوب نکھرنے لگا۔ اِن دنوں جہاں تہذیب و تمدّن کو جِلا ملی، زبان اور شعروادب کا سکّہ بھی خوب چمکا۔ تہذیبِ غم نے بھی نمو پائی۔

چونکہ اس تہذیب پر شیعی عقائد کا غلبہ عام تھا، زبانِ اردو پر، لکھنوٗ جس کی ٹکسال تھی، اِس کی چھاپ صاف نظر آنے لگی۔ محاوروں، ضرب الامثال، کنایوں، استعاروں کی لغات، شعروسخن کی زبان، روزمرّہ کے الفاظ و اظہار میں اِن عقائد کا اثر و نفوذ عام دکھائی دینے لگا۔ خاص طور پر رسوم و عقائد سے متعلق لفظیات نے ایک ایسی مخصوص لغت وضع کر لی، جسے لغات اُردو کا ایک تہذیبی سرمایہ کہا جا سکتا ہے۔ خیال رہے کہ اردو زبان میں لفظ کے اصطلاحی اور مجازی معنوں کا استعمال بکثرت ہے، بلکہ محاورے، روزمرّہ اور کہاوتوں میں الفاظ کے معانی حقیقی کی نسبت، مجازی

اور اصطلاحی معانی کو جس قدر فوقیت دی گئی ہے، زبان کا رنگ اُس سے اور زیادہ نکھر آیا ہے۔

رسوم و عقائد کی رچی بسی اِس تہذیب و معاشرت میں ایک خاص الخاص متعلقاتِ معانی کی جس لغت نے ظہور کیا علم لغت کی زبان میں ہم اس کام کو تھِیسارَس (تھِ+ی۔سَ+ا۔رَ+س) "Thesaurus" سے موسوم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ مرادفات و مطابقات معانی کے ایک جیسے زُمروں کے دائرہ معارف کو (THESAURUS) تھیسارس کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ہم نے ایّام عزاء، محرّم اور مجموعی طور پر تہذیبِ غم سے متعلق رسوم، اعمال، اَعلام، افراد، اشیاء اور اصطلاحات کو یہاں دائرہ معارف کے طور پر ترتیب دیا ہے۔ اس سے ایک خاص تہذیبی میراث کو سمجھنے میں مدد مل سکے گی۔ جن الفاظ و تلمیحات، اسماء و اعلام کی جو تشریحات یہاں کی گئی ہیں وہ اُن معلومات کے مطابق ہیں جنھیں ہم دیکھتے، سنتے اور برتتے ہیں۔ شرعاً، عقلاً اور اُصولاً اُنہیں ہونا چاہیے یا نہ ہونا چاہیے، اِس بحث سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ چونکہ مراسم عزاداری سے متعلق اب تک کوئی کام بہ اعتبار لغت ایسا نہیں ہوا تھا، اُس علمی ضُرورت کے تحت کہ اردو کی لغت میں یہ الفاظ سند پا سکیں یہ جدول تیار کی گئی، مولوی سید احمد صاحب، مولوی فیروز الدین صاحب، جیسے صاحبانِ نظر نے ''ذوالجناح'' جیسے سامنے کے لفظ کو بھی اپنی تشریحاتِ لغت میں جگہ دینا مناسب نہ جانا، مولوی نور الحسن صاحب نے بھی ''حضرت حسینؓ کے گھوڑے کا نام'' کہہ کر بات ختم کر دی۔ حیرت سی حیرت تو یہ ہے کہ ''لغاتِ کشوری'' جو لکھنؤ والوں کی ناک کے عین نیچے بیٹھ کر

لکھی گئی، اُس میں بھی مولوی تصدّق حسین رضوی صاحب جیسے تہذیب آشنا شخص نے اس لفظ کو اپنے ہاں نہیں لکھا۔ چنانچہ خیال ہوا کہ ایسی لغات تہذیب اور ایسے متعلقات لفظی و معانی کو یکجا کیا جائے جن کا عزائے حسینؑ اور برصغیر کے مراسم ''عزاداری'' سے رشتہ خیال قائم ہوتا ہے۔

زبان اردو میں ''تھیسارس'' پر ایک کام ''مقتدرہ زبان اردو'' نے کیا ہے۔ یہ ایسے علمی کاموں کے لیے ایک اچھی ابتداء ہے۔ ہمیں اُمید کرنی چاہیے، ایسے کام یقیناً زبان اُردو کی ترقی کا باعث ہوں گے۔ البتہ یہ کام جو ''مقتدرہ زبان'' نے ''تھیسارس'' اردو کے نام سے کیا، فی الحقیقت مفیدِ مطلب ان معنوں میں نہیں کہ اُس کے منتشر الخیال مرادفات اور بین السطور دیئے گئے مزید اِشاریئے جنھیں ''تھیسارس'' کے بے شمار لفظی و معنوی خانوں میں بطور حوالہ دیکھنا پڑتا ہے، اس کام کو مشکل بنا دیتے ہیں۔ جس طرح کہ ایک لغت ترتیب اصولی کے تحت مُرتّب کی جاتی ہے اور ہر عام و خاص اس سے استفادہ با آسانی کر سکتا ہے۔ اِسے بھی ممکنہ طور پر ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ لیکن ایسا ہوا نہیں۔

ہم نے اس ''تھیسارس'' کو امکانی طور پر بہ اعتبار تہجی ترتیب دیا ہے۔ لیکن جہاں جہاں متعلقات و مرادفات میں کوئی ایسا لفظ آ گیا ہے، جو اُس حرف سے شروع نہیں ہوتا، جس حرف کی جگہ (حرفی ترتیب کے خانے میں) وہ اپنے مرادف یا متعلق ہونے کے سبب آ گیا ہے: جیسے مجلس، میم حرف کے ذیل میں، بچگانی، زنانی

مجلس کا تذکرہ، آ جانا، حالانکہ حرف ب، اور ز پہلے گذر چکا ہے۔ یہ ایک ناگزیر عمل ہے، کیونکہ ایک رسم کے مختلف نام ہونے کے سبب ایسا کیا جانا لازم تھا۔

جن الفاظ کے تلفظ پر اِشکال قائم ہوسکتا ہے، اُنہیں علاحدہ علاحدہ صوتیے کے اعتبار سے حرفوں میں بھی تقسیم کر کے لکھ دیا گیا ہے، جیسے قمہ۔ (ق۔مَ+ہْ)، جیسے محرم (مُ۔حَ+رْ۔ر+م) اس کا اصول یوں ہے کہ جب کسی لفظ کو صوتیے کے اعتبار سے دو تین اجزا میں پڑھنا مقصود ہو تو ہر ایک صوتیے کے مابین اجزائے حروف کو علامت جمع (+) سے ظاہر کیا ہے۔ اور ہر صوتیے کو دوسرے صوتیے سے علاحدہ کرنے کے لیے علامت خط (۔) لگائی ہے۔ تا کہ لفظ کی صحیح شناخت ہو سکے۔ صوتیے کا یہ جزو کسی ایک حرف پر بھی قائم ہوسکتا ہے اور کسی دو حرف پر بھی۔ ایک حرف کے صوتیے کی مثال عَلَم ہے۔ اِس کا ''عین'' بالفتح، الگ صوتیہ ہے اور ''لَم'' الگ صوتیہ (عَ۔لَ+م)۔ دو حرف سے بننے والے صوتیے کی مثال ''بیڑہ'' ہے۔ اس کے اول دو حرف (بِ اور ی) سے ایک صوتیہ قائم ہوتا ہے۔ (بِ+ی۔ڑ+ہ)

ہر تختی کا صرف پہلا حرف تہجی کی نشان دہی کے لیے ہے، لفظ کے باقی متصل مابعد حروف کو اس اعتبار سے قائم نہیں کیا جا سکا۔

بعض الفاظ کا معنوی طور پر یک جا ہونا ضروری تھا، جیسے تعزیے کے ساتھ ضریح کا ذکر آنا، لہٰذا ایسے مقامات پر بھی تہجی کی ترتیب سے صَرف نظر کیا گیا ہے۔

ان مختصر سی گذارشارات کے بعد اِن متعلقات عزاء کوملاحظہ فرمائیے۔

اعمال،(کرنا) عربی زبان کا لفظ ہے۔عمل کی جمع۔ بالفتح الف۔ اصطلاح

اعمال عاشورہ: عزا میں اعمال عاشورہ سے مراد ہے، خاص دُعائیں پڑھنا

اعمال شب عاشورہ: جن کا کتاب عملیہ میں تذکرہ تفصیل سے ہے۔اس میں نمازیں پڑھنا بھی شامل کہا جاتا ہے، یہ اعمال پانی،نہر، دریا کے کنارے یا کُھلی جگہ پر کیے جائیں۔ خاص یہ دُعائیں اورنمازیں،عبادتیں عاشور کےدن سے متعلق ہیں۔

۹ محرم اور دس کی درمیانی شب، شب عاشور کہلاتی ہے۔ اس شب کوتسبیحات پڑھی جاتی ہیں تسبیح کے دانوں پر قاتلان امام اور اصحابِ حسینؑ کے قاتلوں پر ''لعن'' پڑھی جاتی ہے۔اِن تسبیحات کواعمال شب عاشور کہاجاتا ہے۔

امام باڑہ: الف بالکسر،عربی اور ہندی الفاظ کا مرکب:امام عربی۔ باڑہ ہندی۔ اسم مُذکّر عزا خانہ حسینؑ کا۔ اِسے ''محفل'' کے قریب تر لفظ سے بھی موسوم کیا گیا۔جدید معاشرے میں ''امام بارگاہ'' کانام بھی دیا گیا ہے۔

لیکن لغت کے مضبوط رشتے اور تہذیبی لسانیات سے لاتعلق ہو جانے سے اَقدار کو زوال آ جاتا ہے۔لہٰذا ''باڑہ'' کے لفظ سے خوف کھا کر(کہ یہ لفظ عام اردو ہندی میں گائے بھینسوں،

بکریوں، چوپایوں کے رہنے کی جگہ کو بھی کہتے ہیں) اس لفظ سے لاتعلق نہیں ہوا جا سکتا۔ امام باڑہ آصف الدولہ، امام باڑہ حسینی دالاں، امام باڑہ شاہی مرشد آباد، بریلی کا، کالا امام باڑہ، بدایوں کا بڑا امام باڑہ، پشاور کا امام باڑہ مصطفیٰ شاہ، اِمام باڑہ پیر علَم شاہ مظفر آباد کشمیر جیسے مشہور نام اس تہذیب کا تسلسل ہیں۔ پاک و ہند کے تمام چھوٹے بڑے شہروں، اور عزا کی بستیوں، امروہہ، حیدر آباد دکن، اورنگ آباد، آگرہ، میرٹھ، لاہور، کوئٹا، خیر پور، ملتان، ہر جگہ اسی قدیم نام والے عزا خانے موجود ہیں۔ عاشور محل، عاشور خانہ، حسینیہ یا ''عزا خانہ'' کے نام سے بھی اسی جگہ کو موسوم کرتے ہیں۔

امام ضامن: مراد ہے۔ آٹھویں امام حضرت رضا کی ضمانت۔ بازو پر ایک تعویز نما پٹی باندھی جاتی ہے۔ جسکی ناف میں حسب حیثیت کوئی سکہ، سی کر رکھ دیا جاتا ہے۔ سفر سے قبل، مسافر کے بازو پر اس دعا کے ساتھ باندھا جاتا ہے کہ سفر جب بہ سلامتی مکمل ہو تو تعویز کھول کر اس رقم سے نیاز کر دی جائے۔ اب یہ تعویز محض سفر کے وقت ہی نہیں، منگنی، شادی بیاہ، رخصتی اور دیگر مہمات پر بھی

باندھا جاتا ہے۔اس رسم کے پیچھے ایک روایت بھی ہے۔کہا جاتا ہے، کسی شکاری نے ایک جنگل میں کسی ہرنی کا شکار کرنا چاہا، وہ قابو آئی تو بولی اے شکاری میرا بچہ بھوکا ہوگا، اسے دودھ پلادوں تب مجھے شکار کرنا، لے جانا یا مار دینا۔شکاری نے کہا اس بات کی کون ضمانت دے کہ تو وعدے کے مطابق پلٹے گی! اس نے کہا میں حضرت امام رضا کو ضامن قرار دیتی ہوں۔شکاری نے اعتبار کیا، ہرنی سے کہا۔جا۔وہ گئی اور حسب وعدہ پلٹ کر آ گئی۔تب اسے رحم آیا ہرنی کو آزاد کر دیا۔

اذانِ علی اکبر : عاشور کی صبح، بوقت فجر، مجلس شبِ عاشور کے اختتام پر یہ اذان، حضرت علی اکبر کی اس اذان کی یاد دلاتی ہے جو عاشور کربلا کی صبح کو جناب علی اکبر نے دی۔اس رسم کا رواج بھی مخصوص علاقوں کی عزاداری میں نظر آتا ہے۔خیر پور میرس کے محلّہ علی مراد میں، جہاں الوّر، حصار، روہتک، گڑگانواں کے سادات آباد ہیں۔میں یہ اذان اپنی مجلس خوانی کے بعد کئی عشروں تک سنا کیا۔

بجرہ: بجرا — انگریزی زبان سے، اردو میں آیا، **Budgerow** اصل ہے۔ اِسم مذّکر: ایک کشتی جس میں امیر لوگ دریا کی سیر کرتے ہیں، جیسے کسی صاحب حیثّیت کے پاس عمدہ سواری، کار، بگھی، رتھ ہوا یسے ہی ''بجرہ'' شمار کیا جاتا ہے۔

نیمہ شعبان، رات کے وقت امام زمانہ (صاحب عصر) کی ولادت کی تقریبات میں کسی دریا یا نہر کے کنارے جہاں لوگ عریضہ ڈالنے جاتے ہیں ایک کشتی یا کشتیاں تیار کی جاتی ہیں، اُن پر سوار ہو کر، عریضے دریا میں ڈالے جاتے ہیں۔ لکھنؤ میں گومتی کے بجرے، کراچی میں کلفٹن اور لاہور میں دریائے راوی کے کنارے بھی یہ بجرے اس موقعے پر بنائے جاتے ہیں۔

بیڑہ (ب+ ے۔ ڑَ+ ہٗ) — ہندی: اسم مذکر۔

کشتی، ناؤ، بجرا۔ سفینہ

بعض امام باڑوں میں لکڑی کی بنی ہوئی ایک ناؤ رکھی جاتی ہے۔ اس کو طرح طرح سجایا جاتا ہے۔ ایک جھنڈا بھی بطور چپّو نصب کیا جاتا ہے۔ بارہ اماموں کے نام بھی اس کشتی پر لکھے جاتے ہیں۔ یہ تجسیم ہے، حدیث سفینہ کی۔ حضورؐ نے فرمایا: ''میرے اہل بیتؑ کی مثال، سفینہ نوح جیسی ہے، جو اِس میں سوار ہوا، اُس نے نجات پائی''۔

بیڑی/طوق/کڑا — بیڑی، کڑا، ہندی لفظ/طوق عربی: بیڑی اسم مؤنث/طوق، کڑا اسم مذکر۔

حضرت سید سجاد علی ابن الحسینؑ اور دیگر اسیرانِ اہل بیت کی یاد میں یہ چیزیں ایامِ عزا میں پہنتے ہیں۔ چاندی لوہے یا کسی اور دھات کی بنی ہوتی ہیں۔ بیڑی، زنجیر کا قفل لگا کر جسے پاؤں میں پہنا جاتا ہے۔ کڑا، زنجیر کا قفل لگا کر جسے کلائی میں ڈالا جاتا ہے۔ طوق، جو گلے میں بطور علامت اسیری کے لٹکایا جاتا ہے۔ اب منّت، مراد کے لئے، اور قافلۂ حسینؑ کے قیدیوں سے ہمدردی وطرفداری کے اظہار میں بیڑی، پاؤں میں، طوق گلے میں، اور کڑا کلائی میں ڈال لیا جاتا ہے۔

بی بی: — فارسی لفظ: اسم مؤنث

''بی بی کا دانہ'': جناب سیدہ کی نیاز کا طعام۔ نیاز کا کوئی حصہ، جزو، دانہ۔ بی بی کی صحنک مراد ہے۔

بی بی صاحب: مراد ہے جناب سیدہ،

بی بی کی صحنک: جناب سیّدہ کے نام کی نیاز۔ جسمیں شرکت کے لئے عورتوں کا پاک صاف ہونا ضروری ہے۔

صحنک کھانے کا برتن۔ طباق۔ خاص اس نیاز کا برتن۔

''صحنک سے اُٹھ جانا'' بھی محاورہ ہے۔ کہتے ہیں اس نیاز میں کوئی ناصاف اور ناپاک عورت شریک نہیں ہوسکتی۔ اگر انتظام کرنے والی عورتوں کو اس بات کا پتا چل جائے کہ شریک فلاں عورت پاک اور صاحب عصمت نہیں ہے تو وہ اُس کو وہاں سے اُٹھا دیتی ہیں۔

ڈر ہے ہم صورتوں کی چشمک سے
ارے اُٹھ جاؤں گی میں صحنک سے
(مرزا شوق لکھنوی)

''صحنک سے اُٹھ جانا'' بطور تلمیح کے بھی آتا ہے۔ کہانی یُوں ہے کہ جہانگیر بادشاہ نے نور جہاں کو ''شیر افگن'' سے بیوگی کے بعد اپنے محل میں رکھ لیا تھا۔ اسی عرصے میں محل کی بیگمات نے حسد کیا۔ اور اُسے ذلیل کرنے کی یہ ترکیب نکالی کہ اکبر بادشاہ کی بڑی بیگم نے اعلان کیا، محل میں بی بی کی صحنک کا انتظام ہو اور صرف وہی عورت شریک ہو جس نے دوسرا خاوند نہ کیا ہو۔ اس طرح نور جہاں، اس نیاز سے اٹھ گئی۔ یا شرکت سے محروم کردی گئی۔ تب سے یہ محاورہ صحنک سے اٹھ جانا، مشہور چلا آتا ہے۔

ایک دلچسپ بات، اس سلسلے میں یہ ہے کہ ادب اور تاریخ میں بھی لوگوں کے تعصّبات، نفرتیں، پسند و ناپسند کی باتیں چُھپی نہیں رہ سکتیں۔ ایک صاحب نے محاوراتِ ہند کا مخزن تیار کیا، اُس میں یہ عجیب بے پر کی اُڑائی کہ ''بی بی کی صحنک'' جناب ام المومنین عائشہ بی بی کے نام کی نیاز ہے۔ اُن کی اِس جرأت گُستاخانہ پر مؤلف فرہنگ آصفیہ (سید احمد دہلوی صاحب) بھی بہت سخت ناراض ہوئے اُنہوں نے اپنی فرہنگ کے جلد دوم بحوالہ ''صحنک'' میں بڑی آزردہ دلی کے ساتھ یہ عبارت بھی لکھدی:

''ہم حیران ہیں کہ ہندوستانی مخزن المحاورات کے جدید محقق نے بی بی عائشہؓ کی نیاز کہاں سے لکھ دیا۔ جب ایک قوم کی رسمیں معلوم نہ ہوں تو اس میں ہاتھ ڈال کر اوروں کو گمراہ کرنے اور غلطی میں ڈالنے سے کیا فائدہ۔ اس سے تو نہ لکھنا ہی بہتر تھا''

خیال رہے کہ اس نیاز کو جناب سیّدہ سے ہی نسبت ہو سکتی ہے کہ وہ طہارت، عفت، عصمت اور عظمت میں جس مقامِ بلند پر فائز ہیں، کوئی اور اُن کا ثانی نہیں۔ اسی لئے اس نیاز میں پاکیزگی طہارت اور عفت و عصمت کی شرط لازم قرار دی گئی ہے۔ حتّٰی کہ دوہاجو عورت کو بھی اس سے

دور رکھا گیا ہے۔ ہر چند کہ ایسی باتوں سے امت کے اعلیٰ ترین اصولوں پر زد پڑتی ہے۔

بی بی کی جھاڑو: محاورے کے طور پر آتا ہے ''بی بی کی جھاڑو پھیرنا'' عورتوں کا محاورہ ہے۔ جب کسی کو بُرا کہیں، کوسنا چاہیں تو کہتی ہیں، بی بی کی جھاڑو تُجھ پر پھرے۔ یعنی بی بی سیّدہ کی مار تجھ پر ہو، پھٹکار پڑے۔

بی بی کی کہانی: جناب سیّدہ کے نام سے مشہور ہے۔ حاجت روائی کیلئے یہ تقریب کی جاتی ہے اور اس میں عام طور پر یہ کہانی پڑھی جاتی ہے۔ کہتے ہیں جنگل میں ایک شہزادی اور وزیر زادی سیر کے دوران بھٹک گئیں، پھر اُنہیں کوئی راہ دکھانے والا مل گیا، وہ خود ایک بادشاہ تھا، اِنہیں اپنے محل لے گیا، بیٹوں سے شادی کر دی، پھر وہاں اُن پر ایک مصیبت نئ آئی۔ قید ہوئیں، بشارت ملی کہ بی بی سیّدہ کی مَنّت مانو، تب رہائی ملے گی۔ اس طرح انہیں رہائی نصیب ہوئی۔ اب ہر مشکل کے رفع کرنے کیلئے یہ کہانی تفصیل سے پڑھی جاتی ہے۔

بی بی کی پُڑیا: جناب سیّدہ کے نام کی نیاز تھوڑی سی رقم کی، یا تھوڑی سی مقدار پر کی جاتی ہے بی بی کی پُڑیا کہلاتی ہے، کسی معمولی حاجت روائی کیلئے یہ بہت مختصر سی نیاز مانی جاتی ہے۔

بازو: مرثیے کو بطور سوز پڑھنے والے اصل شخص کی ہم نوائی کرنے والے لوگ۔ ناسخ لکھنوی نے اپنے ایک شعر میں، اس لفظ کو انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ؎

میں اکیلا اپنے غم کی شرح کر سکتا نہیں
کوئی مثل مرثیہ خواں چاہئے بازُو مجھے

(بھرنا) پیالے بھرنا: امام کے سوئم (تیجے) کے دن یہ نیاز پیالوں میں رکھی جاتی ہے۔ اس کے کسی پیالے (برتن) کو اس نیّت سے اُٹھانا کہ منّت پوری ہوگی تو ہم بھی پیالے اسی طرح بھریں گے۔ عموماً یہ بارہ پیالے بھرے جاتے ہیں۔

پیالہ بھرنا کبھی آزاد فقیروں کی اصطلاح تھی۔ سوئم کی فاتح میں وہ شامل ہوتے اور کہتے آج فلاں جگہ پیالہ بھرا جائے گا، مگر یہ سب باتیں برصغیر کی باتیں ہیں، عالم اسلام میں ایسی باتوں کا رواج عموماً نہیں ملتا۔

طاق بھرنا: امام باڑے، درگاہ یا مسجد کے کسی طاق میں اگر بتی سلگانا، موم بتی جلانا، چراغ میں تیل ڈالنا، طاق میں گُل گلے رکھنا، بتاشے بھرنا اور پھر مُراد پوری ہونے کی دُعا کرنا۔ جب مرادِ پُوری ہو جائے تو نیاز کرنا۔ کچھ لوگ مراد پوری ہونے سے قبل بھی نیاز دلاتے ہیں۔

پیش خوانی: مجلس کے مرکزی مقرر (عالم، ذاکر) کے بیان سے قبل شعر یا نثر میں کچھ پڑھنا۔

پنجہ: فارسی زبان کا لفظ۔ اسم مذکّر۔
پانچ کے عدد سے منسوب۔ عزاداری کی اصطلاح میں ہاتھ کا وہ حصہ، جسمیں پانچ انگلیاں اور ہتھیلی نمایاں ہو۔ سونے، چاندی، ٹین یا دیگر دھاتوں کا بنا ہوا۔ علم کے سر پر لگایا جاتا کی۔ بعض کا خیال ہے یہ علامت ہے، عددی طور پر پنجتن پاک کی۔

تابوت: عربی زبان کا لفظ ہے: اسمِ مذکر۔
جنازہ، اَرتھی، میّت، لاشہ، مردہ جسم، وہ صندوق جس میں لاش رکھی جائے۔ عزاداری کی اصطلاح میں حضرت امام حسینؑ، امام حسنؑ یا حضرت علیؑ کے جنازے کی شبیہ۔
تابوت سکینہ (بنت الحسین) تابوت علی اکبرؑ۔ تابوتِ حَسنؑ۔
تابوت امام موسیٰ کاظم نکالنے کا رواج بھی ہے۔
لکڑی سے بنا ہوا ایسا ڈھانچہ جو قبر سے مماثلت رکھتا ہو، تابوت کہلاتا ہے۔ اس صندوق نما لکڑی پر کپڑے کا غلاف چڑھایا جاتا ہے۔
جن حضرات شُہداء کا جنازہ نہ اُٹھایا جا سکا یا عالم بے کسی میں اُٹھا۔ اُٹھانے والے، ایک ردعمل کے طور پر، ظالم کے خلاف، مظلوم کی حمایت کے اظہار میں اُٹھاتے ہیں۔

تسبیح (کی زیارت): کچھ مقامات پر ایک ایسی تسبیح دکھائی جاتی ہے، جو بقول بعض، عاشورہ کے دن سرخی مائل ہو جاتی ہے۔ خاک شفا والی ایسی تسبیح کی ہم نے ملتان میں بہت شہرت سُنی، دیگر

مقامات پر بھی ایسی تسبیح کی ''زیارت'' لوگوں نے کی ہے۔

تعزیہ: عربی لفظ ہے، تائے مفتوح عین ساکن ہے۔ مذکر۔
(تَ+عْ۔زِ۔یَ+ہْ) پرسہ دینے کے معنوں میں آتا ہے۔ عزاداری کی اصطلاح میں امام حسینؑ و حسنؑ کی تُربتوں کی خیالی شبیہ کو کہتے ہیں، جو کاغذ، ابری، لکڑی کی کھپچیوں سے لکڑی اور بانس کے قبّے کے اندر بنائی جاتی ہیں۔ ایّامِ عزا میں بہ طور تبرّک و تقدیس بعض جگہ رکھی جاتی ہے یا جلوس میں، کاندھوں پر رکھ کر لے جائی جاتی ہے۔
اس رسم کا رواج صرف پاک و ہند میں ہے۔ بعض مقامات کے اہلِ کمال صنّاع اور عقیدت گذاروں نے اسے کمال ہُنر کے طور پر بھی برتا ہے۔ چنانچہ لکھنؤ کے بعض، امام باڑوں، دہلی، آگرہ، حیدرآباد دکن، حسینی دالان، ڈھاکہ، خیر پور میرس وغیرہ کے علاوہ، سب سے زیادہ ہُنرمندی ملتان کے استاد اور شاگرد کے بنائے ہوئے تعزیوں میں نظر آتی ہے۔ زمانے کے ساتھ ساتھ تعزیہ کے تعمیری سامان میں بھی تبدیلیاں آ گئیں شروع شروع میں عوام بانس کی کھپچ پر کاغذ چڑھا کر قبّہ سا بنا لیے مگر اب عمدہ لکڑی کے کام والے سونے چاندی، کی پتریوں سے سجے یہ

بلند وبالا قبّے جگہ جگہ بنائے جاتے ہیں۔

مؤرخ کہتے ہیں: تیمور گورگان بہت طرفدار اہل بیت کا تھا۔ جب اس نے بہت سے اہلِ کوفہ کو قتل کر دیا، پھر کربلا معلّٰی کی زیارت کو چلا۔ وہاں سے واپس ہوا تو بہت سے تبرّکات ساتھ ایک عماری میں رکھ کر لایا۔ ان تبرکات کو اُس نے ایک قُبّے کی شکل میں رکھا۔ تعزیہ اسی کی یادگار ہے۔ کچھ نے کہا کہ تیمور لنگ نے جب رے وروم فتح کیا، پھر کربلا بغرض زیارت پہنچا، وہاں سے واپسی پر کچھ تبرّکات بھی لایا اور ہر جنگ کے موقعے پر اگلی عماری میں یہی تبرّکات بصورت قُبّہ رکھتا۔ اُس کا عقیدہ تھا کہ ایسا کرنے سے وہ فتح یاب ہوتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان آیا تو بھی اُس نے اپنے جلوس میں یہی طرزِ عمل روا رکھا۔ اُس نے ان تبرکات کی زیارت کو عشرہ محرم میں عام عوام کے لئے بھی کھول دیا۔ یہ رواج اُسی زمانے سے آج تک چلا آتا ہے۔ تعزیے چونکہ ملال، حُزن، اور موت کے اندوہ کی علامت سمجھے جاتے ہیں، اس لئے لفظ تعزیہ سے زبان اردو کی عام بول چال میں بطور روزمرّہ بہت سے نئے نئے مجازی معانی بھی پیدا ہو گئے۔ مثال کے طور پر:

تعزیہ اُٹھانا/ اُٹھنا: تعزیہ کو جلوس میں لے جانا۔ امام باڑے سے باہر گشت پر لانا، جب کوئی شخص کسی بچے یا کسی اور چیز کو اپنے کاندھوں پر اُٹھائے اور ہمیں ناگوار گذرے تو ہم کہتے ہیں۔ کیا تعزیہ اُٹھائے پھرتے ہو، بطور طنز:

تعزیہ بنانا: مجازاً کسی کی تحقیر کرنا ذلّت کو شہرت دینا۔ رسوا کرنا

تعزیہ ٹھنڈا کرنا: کسی بڑے شخص کو قتل کر دینا بطور تضحیک استعمال ہوتا ہے۔ تعزیے کو کربلا میں دفن کر دینا۔ تعزیے کی توہین کر دینا۔ پامال کر دینا۔

تعزیہ نکالنا، تعزیہ داری کرنا، تعزیہ دار ہونا، تعزیہ رکھنا، تعزیہ داری اپنے سر لینا، بھی کم و بیش ایسے ہی قریب تر معنوں میں استعمال ہوتے ہیں

تعزیے کی ہم جنس اک شبیہ اور بھی ہے اُسے ضریح کہتے ہیں۔

(ض۔ رِ+ ی + ح) عربی زبان کا لفظ ہے۔ اردو میں اسم مؤنث کے طور پر آتا ہے۔ ضاد بالفتح ہے، بمعنی قبر، مزار، مرقد کے آتا ہے۔ مرقد کے اوپر کا وہ حصہ جو قبر کی جالی کے طور پر بصورت کوٹھی نظر آتا ہے۔

روضہ حضرت سید الشہداء کی شبیہ کے دو نام عام ہیں۔ اِن

دونوں کی شکل میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔ تعزیہ عام طور پر گنبد نما اور ضریح مربع کوٹھی کی وضع میں بنائی جاتی ہے۔

ایک زمانے میں ضریح کو اہل لکھنؤ نے لوہے کی دھات سے بھی بنایا۔ ناسخ کا یہ شعر اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

نظر آئی ضریحِ تربت شبیرؑ لوہے کی
زیادہ سیم و زر سے ہوگئی توقیر لوہے کی

تعزیہ: (چُپ تعزیہ) چُپ تعزیہ بھی اس کی ایک قسم ہے۔ حضرت امام حسن عسکری کی شہادت کے دن، ۸ ربیع الاول کو یہ تابوت یا تعزیہ نکالا جاتا ہے۔ یہ خاموش جلوس، اُس واقعے کی یاد دلاتا ہے، جس میں، حضرت امام حسن عسکری کا جنازہ اٹھایا گیا۔

تبَرَّ ہ: (تَ۔ ب۔ ر۔ رَہ)

عربی لفظ ہے۔ براءت، بَریّت بھی انہی معنوں میں آتے ہیں۔ اس کے مرادی معنی ہیں، دور رہنا یا دور کرنا۔ تہذیبِ غم کی اصطلاح میں تبَرَّ ہ، دشمنان اہلِ بیت سے اپنی لاتعلقی کا اعلان ہے۔ تبَرَّ ہ بھیجنا، تبَرَ ہ کرنا بھی اسی قبیل سے ہے۔ بعض مخصوص افراد کا نام

لے کران سے نفرت کا اظہار کیا جانا بھی، تبرّہ کہلاتا ہے۔ یہ عمل ملامت اور لعن کے زمرے میں شمار ہوتا ہے بعض لوگ اسے ثواب جانتے ہیں، اور تعوُّذ کی مثل قرار دیتے ہیں۔

ثرشیہ، ہرسیہ (مرثیہ) :

مرثیہ کے ہم وزن دو اور لفظ بھی تہذیب غم کے تصرف میں رہے ہیں۔ مرثیہ اظہار غم کی ایک سنجیدہ شاعری کی ہیت ہے۔ مگر دشمنان اہل بیت اور قاتلانِ حسین کی مذمت میں جو اشعار غیر سنجیدہ، طنزیہ اور مضحکہ خیز انداز میں کہے جائیں انہیں ثرشیہ یا ہرسیہ کہتے ہیں اس صنف سخن کا امام جعفر زٹل اور مشیر لکھنوی کو بتلایا جاتا ہے۔ ایام عزا کے بعد، جب سوگ بڑھا دیا جائے، اور ربیع الاول کی نویں رات ہو۔ جشن مسّرت کے طور پر ایسے اشعار پڑھے جاتے ہیں، تاریخ میں یہ دن سپہ سالار افواج یزید، ابن سعد کی ہلاکت کا روز کہلاتا ہے۔ اس لفظ کی املاء پر اہل علم کو ہمیشہ ایک تردُد سا رہا ہے۔ جن میں ایک ادنیٰ سا طالب علم میں خود بھی شامل ہوں۔ اس لفظ کی ساخت بہ ظاہر عربی ہے لیکن

ث۔ر۔ث، یاس۔ر۔ث یاس۔ر۔س کوئی مادہ حروف ان معنوں میں کہیں نہیں آیا۔لہٰذا مرثیے کے ہم وزن ایک لفظ کو از رہ تفنُّن اختیار کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ اس لفظ کی رائج الوقت درست املاء ہرسیہ (ھرسیہ) سمجھنی چاہیے۔اس طرز سخن کو ہرسیہ کا نام دینا بہ ایں معنی قرین لغت کہا جا سکتا ہے کہ ھرس (ہرس) کے معنی، کوٹنا، کچلنا اور مسلنا، آتے ہیں۔

جُھولا (جھ+و۔ل+ہ) ہندی کا لفظ ہے۔ حضرت علی اصغر جو مشہور روایت کے مطابق وقت شہادت کربلا میں چھے ماہ کے تھے، اُن کی کم سِنی اور شیر خواری کے مدِ نظر، اُن کی یاد میں، یہ جُھولا نکالا جاتا ہے۔ جہاں اور ''زیارتیں''، ''شبیہیں'' مجلسوں میں برآمد ہوتی ہیں۔ وہاں یہ ''زیارت'' بھی بہ ذکر شہادتِ علی اصغر نکلتی ہے۔

''جناب'' اپنے مخصوص تہذیبی تناظر میں شیعہ مجتہد کیلئے آتا ہے: مومن فاروقی نے کلیّات نظیر اکبر آبادی مُرتبہ نول کشور پریس میں بھی انہی معانی کی طرف توجہ دلائی ہے: کہتے ہیں۔

کہتے ہیں جس کو زندگی۔ دم کی ہوا ہے اے نظیر
ہم کو تو آج کھل گیا، عقدہ یہ اک ''جناب'' سے

چلاّ باندھنا: (چ+ل+ل+ا)
کمان کی تانت کے ایک کنارے پر جو کمان سے بندھا نہیں ہوتا، چمڑے یا لکڑی کا چھلاّ سا لگا ہوتا ہے یہ ہندی کا وہی لفظ چھلاّ معلوم ہوتا ہے، جسے غالباً چلے سے بدل لیا گیا ہو۔

ایک رسم ہے: خاص پاک و ہند کی معاشرت سے اُبھری ہے عَلَم، منبر، ضریح و تعزیے کے کسی گوشے کے ساتھ مَنّت کا دھاگا (کلاوہ) باندھنا۔ خاص طور پر عَلَم کے بانس پر ایک ڈوری کے ساتھ گرہ لگا دینا اور عہد کرنا کہ اگر مُراد پوری ہوئی تو نیاز دلانا مجھ پر واجب ہوگی۔ ایامِ عزا کے دوران یہ چَھلّہ باندھنا، گرہ لگانا مشہور ہے۔

حسین بند:
وہ بن نگینہ انگوٹھیاں، جو بچوں کو بطور منت پہنائی جاتی ہیں۔ جو چاندی کی ہلکی سی زنجیر کے ساتھ ایک دوسرے سے جڑی ہوں۔

حسینی برہمن:
ہندو برہمن ذات کا ایک خاص طبقہ جو عشرہ محرم میں امام حسین کی یاد میں سبیلیں لگاتا ہے۔ سبز یا کالے رنگ کا لباس بھی پہنتا ہے۔ علم اٹھاتا ہے۔

حاضری:
عربی لفظ ہے۔ **Presence** کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ لیکن ''تہذیب غم'' کی اصطلاح میں اِس کے معنٰی ہیں۔ وہ

کھانا، جس پر شہدائے کربلا بالخصوص حضرت عباس کی نیاز کی جائے، چاول، شامی کباب، حلوہ، شیرمال عموماً اس "حاضری" میں رکھا جاتا تھا۔ اب آہستہ آہستہ اسی نیاز میں حسبِ توفیق اضافہ بھی ہوتا جاتا ہے۔

میّت کے بعد گھر والوں کو جو کھانا پہنچایا جاتا ہے، اُسے بھی حاضری کہتے ہیں۔ "شامِ غریباں" کے بعد حُر کی بیوی، جو کھانا اسیرانِ اہل بیت کے لیے، لائی، اور اس واقعے کی شبیہ بعض مجالس شام غریباں میں نکالی جاتی ہیں۔ اِسے بھی حاضری کہتے ہیں۔ شامِ غریباں کے وقت یہ حاضری لانا، حُر شہید کی بیوی کے نام سے ہر جگہ مشہور ہے۔

(سُفرہ امام حسنؑ) حاضری، (سُ+ف۔رَ+ہْ) عربی لفظ ہے۔ سین بالضم ہے۔ اِسے امام حسنؑ کی حاضری بھی کہا جاتا ہے۔ دسترخوان امام حسن کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اس دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے سجا کر عقیدت مندوں کو کھلائے جاتے ہیں۔ سنتِ امام حسنؑ کہلاتی ہے۔ اکثر علاقوں میں اس کا اہتمام ۲۲ جمادی الثانی کو کیا جاتا ہے۔

حِصّہ: تبرّک مجلس کا۔ اصطلاح مجلس میں اس نیاز اور نذر کو کہتے ہیں جو مجلس کے خاتمے پر فرداً فرداً تقسیم کی جاتی ہے۔ جب کسی شخص کو عام حق سے کچھ زیادہ تبرک دیا جائے، اِسے دوہرا

حصہ کہتے ہیں۔

ذاکِر: عربی زبان کا لفظ۔اسم مذکر۔
مجلس امام حسینؑ سے خطاب کرنے والا۔ ذکر امام حسین کرنے والا۔ اِسے خطیب یا واعظ بھی کہتے ہیں۔اردو میں ذکر امام حسین کرنے والا نثری خطیب، مگر سرائیکی اور پنجابی کی رثائی اصطلاح میں، کھڑے ہو کر، بہت سے ہم نواؤں کے ساتھ منظوم اور منثور (مشترکہ) خطاب کرنے والوں کو بھی ذاکر (ذاکرین) کہا جاتا ہے۔

ذُوالجَنَاح (جَ ۔نَ+ا+ ح): عربی کا لفظ ہے، ذُو بمعنی صاحب، جَناح بمعنی پر، پناہ، بازو وغیرہ:اسم مذکّر،جیم بالفتح۔
وہ گھوڑا جو حضرت امام حسین اور حضرت عباسؑ کی یاد میں سجایا جائے۔ خاص اسی مقصد کے لیے سدھایا جاتا اور پالا جاتا ہے۔اس پر کوئی سواری نہیں کی جاتی۔ جب اس کو زیارت کے لیے نکالا جاتا ہے اس پر پگڑی، شمشیر یا تلوار وغیرہ رکھی جاتی ہے،خون کے رنگ جیسی چھینٹوں والا کپڑا اس پر ڈالا جاتا ہے، تیر بھی جابہ جا اس کپڑے میں لگا دیئے جاتے ہیں۔ اِسے خالی رکھتے ہیں،علامت یہ ہے کہ اس کا سوار واپس نہیں

آیا۔ حرم اہل بیت میں شہادت کی سُنانی دینے آیا ہے۔ قدیم رواج میں عام طور پر اسے ''دُلدل'' کہا جاتا رہا۔ دُلدل نِکلنا ''دُلدُل کی زیارت کرنا'' اس کے لیے معروف تھا۔ ''ذوالجناح'' کا نام اب زیادہ عام ہوا ہے۔ دُلدُل (دُ+لْ ۔دُ+لْ) کو اسم مؤنث بھی بعض نے لکھا ہے۔ مگر عام طور پر اسم مذکر بولا جاتا ہے۔ دُلدل ۔ حاکم اسکندریہ نے حضورؐ کو بطور تحفہ بھیجا تھا۔ حضور نے یہ جناب امیر کو عطا فرمایا۔ مگر یہ وہ گھوڑا نہیں ہوسکتا، جس کی نسبت جناب امام حسینؑ سے قائم کی جاتی ہے۔ امام حسینؑ کی یاد میں جو دُلدُل (ذوالجناح) نکالا جاتا ہے۔ وہ خاص حضرت امام حسین کی سواری کا گھوڑا تھا۔ اُس کی تیز رفتار، سرعت اور اُڑان کے سبب یہ نام اُسے دیا گیا۔ وفاداری، شعور اور کمال ذات کے اعتبار سے یہ ایک قابلِ فخر گھوڑا تھا۔ جو بعد شہادت خیمہ ہائے حسینؑ کی طرف خون میں غلطاں، زخموں سے چُور، شکستہ بدن کے ساتھ آیا، اور اس طرح اُس نے اپنے سوار کی شہادت کی خبر دی۔ اس کی بے مثال کارکردگی اور وفاداری کے اعتراف میں اس کی شبیہ، ذکر امام حسینؑ کے ساتھ بہ اہتمام نکالی جاتی ہے۔

رافضی: عربی مادّے (ر ف ض) سے ہے۔ قریب تر مطلب اس کا ہے محبّت میں حد سے بڑھ جانا، غلو کرنا۔ اس لفظ کو خارجی کے متضاد سمجھا جاتا ہے، خروج کا مفہوم ہے، حد سے باہر کر دینا حد سے کم کرنا۔ مخالفین تشیعؑ، عموماً شیعوں کیلئے یہ اصطلاح بطور طنز استعمال کرتے ہیں۔
شاہ دلدار علی مذاق بدایونی ایک مشہور صوفی بزرگ نے اس لفظ کو نہایت عمدگی سے ایک جگہ یوں استعمال کیا ہے:

خروج و رِفض سے ہوں پاک مومن باتولاّ ہوں
میں سُنّی بے تعصُّب ہوں، میں شیعی بے تبرہ ہوں

روضہ خوانی: مجلس عزائے حسینؑ، کیلئے قدیم اصطلاحی نام ہے۔ فارسی زبان میں ذکر امام حسین اور تذکرہ مصائب کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا تھا۔ برصغیر میں دکنی عہد میں بھی مجالس عزا کو اسی نام سے یاد کیا گیا۔ حتیٰ کہ شمالی ہند میں انیسویں صدی تک یہی لفظ رائج رہا۔ اسی لفظ سے روضہ خواں نکلا ہے۔
روضہ خواں سے مراد مجلس حسینؑ پڑھنے والا شخص ہے:
میر تقی میر فرماتے ہیں ؎

مرغِ چمن نے زور لگایا سبھوں کے تئیں
میری غزل پڑھی تھی شب، اک روضہ خواں کی طرح

زیارت: عربی زبان کا لفظ ہے۔ اسم مؤنث ہے۔ اصطلاح عزا میں اس کے خاص معنی ہیں۔

(کرنا) علَم، روضے، تعزیے، ضریح، عزا خانے اور شبیہوں کو دیکھنے کے لیے جانا زیارت کرنا ہے۔

(پڑھنا) مجلس کے خاتمے پر تمام اہل مجلس کھڑے ہو کر تین اطراف باری باری منہ کر کے سلام پڑھتے ہیں۔
پہلے سامنے رخ پر حضرت امام حسین پر، پھر ذرا دائیں ہو کر امام رضاؑ پر پھر ذرا بائیں ہو کر امام زمانہ پر، زیارت پڑھنا کہلاتا ہے۔

(اٹھانا) ضریحوں، تعزیوں، علموں اور دوسری شبیہوں کو اٹھانا۔ زیارت اٹھانا ہے۔

(ہونا) خواب میں حضرات شہداء، ائمہ یا شبیہوں کو دیکھنا۔ زیارت ہونا ہے۔
خیال رہے کہ، بعد مجلس جو زیارت سہ طرفہ پڑھتے ہیں، ان اطراف کے تعیُّن میں کوئی واضح دلیل نہیں ملتی، محض ایک ضابطہ مجلس کے طور پر ایسا کیا گیا ہے۔

سبیل: عربی کا لفظ، اسم مؤنّث۔

(س۔بِ+ی+ل) ایک سبیل وہ ہے جو کربلا کے پیاسوں کی یاد میں جا بہ جا بنائی

جاتی ہے لیکن عزاداری کی اصطلاح میں پانی، شربت میٹھے دودھ کا جلوس عزا کے دوران راستے کے مختلف مقامات پر انتظام کرنا بھی سبیل ہے۔ آجکل بڑے اور مرکزی جلوسوں میں سفری سبیل کا بھی رواج ہے۔ سبیل کے لیے میر انیس کا یہ شعر شہرۂ آفاق ہوگیا ؎

نہریں رواں ہیں فیض شہ مشرقین کی
پیاسو پیو سبیل ہے، نذر حسینؑ کی

سقّہ/سقّائے سکینہ (س+ق۔ق+ہُ) عربی کا لفظ بالفتح، اسم مذکر: حضرت عبّاس کو سقائے سکینہ کہتے ہیں۔

سقّہ بنّا اصطلاح عزاداری میں اس کا مطلب ہے، عشرہ محرم کے دوران جناب سکینہ کا سقہ بننا۔ ہوتا یوں ہے کہ کم سن بچّوں کی مائیں کالے کپڑے پہنا کر اُن کے گلے میں سوکھی ہوئی مشک بھی ڈال دیتی ہیں، گردن میں کلاوہ پہنا دیتی ہیں۔ گویا یہ اعلان ہے کہ ہم وہاں کربلا میں نہ تھے مگر اب اس خدمت کو حاضر ہیں۔ اپنا غلام اور رفیق جانیں۔ عموماً عشرے کی آخری تاریخوں میں یہ عمل کیا جاتا ہے۔

''سوالِ خدا'' ۲۷ رجب کا ہزاری روزہ کھولنے کی درخواست کرنا۔ اہل

لکھنؤ کی خاص اصطلاح ہے۔ مزید دیکھئے تختی ''ہزاری روزہ''۔

سوگ بڑھانا/ بڑھنا: عزائے حسینؑ کی اصطلاح میں، ۸ ربیع الاول کے بعد کا دن۔ سوگ شروع ہوتا ہے یکم محرم سے اور ۸ ربیع الاول تک۔ جب یہ دن ختم ہو جائیں اِسے سوگ بڑھانا یا بڑھنا کہتے ہیں۔ بڑھنا بمعنی ختم ہونے کے ہے۔ جیسے چراغ بڑھانا (بمعنی بُجھنا) دستر خوان بڑھانا یا بڑھنا (بمعنی لپیٹ دینا، اٹھالینا) کسی کی بات بڑھانا (بمعنی بات ختم کرنا)
سوگ کے یہ دن بعض مقامات پر، بعض خاندانوں میں مختلف ہیں۔ کچھ اہلسنّت صرف دس دن کرتے ہیں، کچھ شیعہ حضرات صرف چہلم امام تک یہ سوگ مناتے ہیں۔

سیج: (سِ۔ی۔ج) ہندی لفظ، بمعنی بستر، چار پائی، مسند۔ سامان عزا میں اس کا شمار ہوتا ہے بعض علاقوں کی رسم ہے کہ حضرت علی اکبر (ابن الحسین) واقعہ کربلا میں، بن بیاہے تھے، عزا دار حسرت سے ان کی شادی کا بستر سجاتے ہیں۔
خواتین میں یہ رسم مہندی، گھڑی گھڑولی، کی طرح رائج ہے۔ یقیناً ایسی رسوم کا تعلق مذہب کی حقیقی روح اور شہادت عظمیٰ کے قابل تحسین مقاصد سے ہرگز قائم نہیں ہوسکتا۔ سیج کی یہ شبیہ حضرت قاسم کے واقعات سے بھی متعلق کی جاتی ہے۔

شبیں: شب کی جمع (جیسے رات کی جمع راتیں)
حضرت علی ابن ابی طالب کی شہادت وقوعہ ۲۱ رمضان سے مخصوص راتوں کو کہتے ہیں۔ ۱۹، ۲۰ زخم کی حالت میں گذارے، ۲۱ رمضان کو حضرت نے شہادت پائی۔ ان راتوں میں واقعات شہادت کا بیان ہوتا ہے اور زیارتیں برآمد کی جاتی ہیں۔

خیال رہے، زیارتوں کے لئے ''برآمد'' کی اصطلاح ان معنوں میں استعمال کی جاتی ہے جب دوران تقریر ذاکر اپنے بیان کے آخر میں ایسا خاص الخاص تذکرہ یا اشارہ کرتا ہے جس کے نتیجے میں علم، ذوالجناح، تابوت، جھولا یا کوئی بھی شبیہ اندر عزا خانے سے باہر فرش مجلس پر لائی جاتی ہے۔

عیدشجاع: ''ش'' بالفتحہ۔ بمعنی بہادر
یہاں مراد ہے۔ حضرت مختار ثقفی سے جنہوں نے، امام اور انصار امام کے قاتلوں سے چن چن کر بدلہ لیا۔ کہا جاتا ہے ۹ ربیع الاول کا دن تھا جب حضرت مختار ثقفی نے افواج یزید کے سپہ سالار، عمر ابن سعد کو تہہ تیغ کیا۔ اس دن کو فتح یابی کے جشن کے طور پر، جناب مختار ثقفی سے منسوب کر کے عید شجاع کہا جاتا ہے۔

عیدِ مُباہلہ: ایسی ہی ایک عید، عیدِ مُباہلہ کہلاتی ہے جب نصاریٰ سے پیغمبر اسلام نے مُباہلہ فرمایا۔ جس کا قرآنِ مجید کی ''سورۃ آلِ عمران'' میں بھی تذکرہ ملتا ہے۔ مگر اس دن کا تعین ایسا یقینی نہیں، جیسا کہ کہا جاتا ہے۔

عریضہ: (عَ۔ رِ+ یَ۔ضَ+ ہ) عربی زبان کا لفظ۔ اسم مذکر، بالفتح عین، را بالکسر۔ وہ کاغذ جس پر حاجت لکھ کر امام زمانہ کی خدمت میں بھیجی جائے۔ عموماً پانی میں ڈالی جاتی ہے۔ عموماً رواں پانی میں۔ مختصر سے کاغذ کو آٹے کے گولے میں لپیٹ کر کنوئیں، دریا، نہر کے پانی میں ڈالا جاتا ہے۔ عمر طویل، خضرؑ اور دریا کا چونکہ باہمی رشتہ ہے۔ امام زمانہ کی غیبت (غے بت) کا عرصہ

بھی جناب خضرؑ سے مماثلت رکھتا ہے۔ اس لیے، امامِ زمانہ، پانی اور عریضے کو اسی نسبت سے دیکھا جاتا ہے۔

عَزا: (عَ۔زَ+ا): عربی: بالفتح، لغت عام میں اس کے معنی ہیں، مُصیبت پر صبر کرنا، اور حالت اندوہ وغم میں کسی سے اظہارِ ہمدردی کرنا، لیکن اصطلاح میں یہ لفظ، عزائے حسینؑ کے ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔ اسی سے لفظ، عزاداری، عزائے حسینؑ مجلس عزا وغیرہ آتا ہے اور انہی معنوں میں جہاں ذکر حسین ہو علم مستقلاً رکھے جائیں وہ جگہ عزاخانہ کہلاتی ہے۔

عزادار: حضرت امام حسینؑ کا غم منانے والے کو کہا جاتا ہے۔ برصغیر کے بعض لوگ اس لفظ پر، اپنا نام بھی رکھتے ہیں۔ صاحبِ لغاتِ کشوری نے اس لفظ کو نہیں لکھا۔ معلوم ہوتا ہے، اس لفظ کی یہ معنوی حیثیت اس صدی میں زیادہ معروف ہوئی۔

علم (عَ۔لَ+م) بالفتح عین اور لام۔ عربی کا لفظ۔ پرچم، جھنڈا، پھریرا، نشانِ فوج۔ مخصوص تناظر میں وہ جھنڈا عَلَم کہلاتا ہے جو امام حسینؑ کی یاد میں نکالا جائے یا لگایا جائے۔ اس کا رواج پہلے پہل ۷/محرم کے جلوس عزا میں نکلنے والے علموں پر ہوا۔

یادگار ہے حضرت عباسؑ کی جو کربلا میں امام حسینؑ کے علَم بردارِ لشکر تھے۔ علَم عموماً دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جن کے سر پر پان نُما، دھات (چاندی، سونے، پیتل وغیرہ کی) لگی ہوتی ہے، جو کلس کی طرح چمکتی ہے، اسے علَم کہا جاتا ہے۔ علَم کے ساتھ تیر، کمان، نیزہ اور تلوار بھی لٹکا دی جاتی ہے۔

ایک وہ علَم ہیں جن کے سر پر پنجہ (سونے، چاندی یا کسی دھات کا بنا) لگا ہوتا ہے۔ اِسے شدّہ (شَ+دْ۔ دَ+ہْ) کہتے ہیں۔ شدہ کو بعض لوگ الف آخر (بجائے ہ) کے ساتھ لکھتے ہیں لیکن اصلاً یہ لفظ عَرَبی (شَدّہ) ہے، جس کے معانی سختی اور تیزی کے ہیں۔ چونکہ جنگ میں علَم علامت حملے، مقابلے اور قرارِ لشکر کی تھی اس لئے یہ معانی وہاں سے لے کر یہ نام دیا گیا۔

علم برآمد ہونا/کرنا: ایسی مجلس جس کے مضامین آخر میں شہادت حضرت عباس کا ذکر ہو۔ ذاکر علَم عباس کا ذکر اس طرح کرے کہ اشارہ پاتے ہی منتظمین علَم، اندرونِ خانہ سے مجمع مجلس میں ماتم حسینؑ کہتے ہوئے باہر لے آئیں۔ اور مجلس ماتم کے لیے اُٹھ کھڑی ہو۔

علم ٹوٹنا: ایک کوسہ (کوسنا) ہے۔ یعنی علیؑ کی پھٹکار پڑے۔ عورتوں کا محاورہ ہے۔

علم ٹھنڈے کرنا/ ہونا: عاشور کے دن، شام کو، ایک مخصوص جگہ (جسے کربلا کہتے ہیں) کاغذ پنّی، اَبری گوٹے وغیرہ سے بنائے ہوئے، کچی چھڑیوں کے علم، دفن کر دیئے جائیں۔ علم تعزیے ٹھنڈے ہونا، اسے کہتے ہیں۔

عَلَم بڑھانا: عَلم ٹھنڈے کرنے کو بھی کہتے ہیں اور مراد پُوری ہونے پر عَلَم بنانے کو بھی۔ عَلَم کا سامان پٹکا، پنجہ، شدہ، چھڑی وغیرہ کو ایامِ عزا گذر جانے کے بعد علاحدہ علاحدہ کر کے رکھ دینے کو بھی کہتے ہیں۔

عَلَم: فتح نشان: ایک غیر معمولی بہت اونچا علم: جسے ''فتح نشان'' بھی کہتے ہیں: جس کو انتہائی بلند ہونے کے سبب تین اطراف سے رسیاں باندھ کر اٹھایا جائے۔ ایک بہت اُونچے بانس کے اوپری حصے کے ساتھ یہ بھی زمین تک نیچے کی طرف آنے والی تین طرفی رسیاں، تین حضرات اُٹھاتے ہیں اور ایک شخص بانس کے اصل ڈنڈے کی نچلی مُوٹھ اُٹھا کر جلوس میں

چلتا ہے۔اس علم پر نہایت بڑا سا پھریرا، اوپر شدّہ یا پنجہ بھی لگایا جاتا ہے۔فتح نشان بدایوں (یُو پی) کے جلوس محرم میں میرے بچپن میں نکلتا تھا۔''تاوَ کریلا'' ایک بزرگ پہلوان جن کا انتقال سندھ، ریاست خیر پور میرس میں ہوا، بدایوں میں قبل ہجرت اس فتح نشان کو اُٹھاتے۔خاص طور پر یہ کہ اس بڑے سائز کے علم کو وہ اپنی ہتھیلی پر سہارا دے کر چلتے اور کبھی کبھی جوش ولا میں اس کی نچلی مُوٹھ کو اپنے نیچے اور اُوپر کے دانتوں کے درمیان دہانے میں رکھ کر چلا کرتے تھے۔

فتح نشان کی یہ صورت کراچی کے مرکزی جلوس عزا میں بھی نظر آتی ہے۔مگر اس کو سہ طرفہ رسّیوں کے ساتھ اٹھا کر چلتے ہیں۔

علیؑ بند: عربی اور فارسی سے مرکب: اسم مذکّر۔

ایک زیور ہے، چاندی، پیتل یا ایسی ہی کسی دھات سے بنایا ہوا۔لوگ (خصوصاً مولائی، موالی) کلائی یا بازو پر باندھتے یا پہنتے ہیں۔

جو لوگ مولائی اپنے آپ کو کہتے ہیں، وہ بھی یہ زیور (کڑا) پہنے رہتے ہیں۔''کُشتی کا ایک داوَ'' بھی لغت میں اس کے معانی لکھے ہیں۔

علیؑ کی مار: ایک کوسے (کوسنے) کے طور پر بولا جاتا ہے۔عورتوں کا محاورہ ہے۔اسی طور پر، عباسؑ کی مار بھی بطور بددعا کے آتا ہے۔

علی مدد: فقیر، فقراء سلام کی صورت میں بھی اسے استعمال کرتے ہیں۔کُشتی کا ایک داؤ بھی ہے۔

علیؑ کے پوتڑے/ دھونا: خاص ہندوستانی رسم ہے۔بلکہ ہندوانہ کہنا چاہئے۔کیتھل، کرنال اور اسی علاقے کے آس پاس رام جنم کے دن، دریا پر رام کے پوتڑے دھونے کا رواج تھا۔رام جی کی پیدائش کی خوشی میں جہاں اور تقریبات ہوتی تھیں وہاں چونچلے کے طور پر یہ بات بھی ہوتی تھی۔مسلمانوں سے رہا نہ گیا، پاک و ہند کی رنگ دار، شوخ، پُر رونق مجلسی زندگی نے اُنہیں بھی متاثر کیا، وہ تیرہ رجب کو جناب امیرؑ کے پوتڑے بھی دھونے لگے۔

اس روایت کو روپ متی باز بہادر کے مصنّف میر فیاض حسین زیدی مرحوم کے گھرانے کے بعض معتبر لوگوں سے سُنا گیا۔

عید غدیر: جب آیتہً ، اکملتُ لکم دینکم (سورہ مائدہ) نازل ہوئی۔ حجتہ الوداع کے موقع پر جناب سرکار رسالت ﷺ نے امیر المومنین حضرت علی کی مولائیت کا اعلان فرمایا۔ ذوالحجہ کی اٹھارہ تاریخ تھی۔ یہ مقام خُم غدیر تھا۔ اس رعایت سے، اس دن (۱۸ ذوالحجہ) کو عید غدیر کہا جاتا ہے۔

عید نوروز: اس دن کو مہرجان بھی کہتے ہیں، فلکیات کے ماہر کہتے ہیں کہ جب سُورج برج حمل میں ہو، نئے اثرات اور تجدد احکام کا موجب ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی ولادت بھی (بقول تاریخ یعقوبی) اسی دن منجموں نے بتلائی ہے۔ یہ دن سردی جاتے دنوں میں آتا ہے۔
اوّل ماہ فروردین ہے۔ مجوسیوں، ایرانیوں اور عربوں میں اس دن کو بطور عید منانے کا رواج برسوں سے چلا آرہا ہے۔ یہ تاریخ عیسوی حساب سے مارچ کی بیسویں اور بائیسویں پڑتی ہے۔ ایرانیوں نے اسے بہت اہمیت دی، انہوں نے فلکی رفتار کے اس مرحلے کو تقدیس وتحریم کی طرف منتقل کر دیا۔ عبادات اور

تشکّر کے بہت سے اعمال اس دن سے مخصوص کر دیئے۔جنہیں اعمال نوروز بھی کہا جاتا ہے۔

ایرانیوں کے اثر سے برصغیر کی شیعت میں بھی اس دن کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ ہونے لگا۔

کہتے ہیں، اس دن زمین وآسمان خلق ہوئے۔خلق آدم کا دن بھی یہی ہے۔حضور کی ولادت بھی اسی دن ہوئی۔سیاروں کو حرکت کا حکم بھی اسی دن ملا۔گویا یہ ایک مبارک دن ہے۔موسم بہار کا یہیں سے آغاز بھی ہوتا ہے۔

فاقہ/ فاقہ شِکنی: فاقہ عربی، شِکنی فارسی: عربی اور فارسی سے مرکب ترکیب۔
اسم مؤنث:
عشرہ محرّم کی دسویں تاریخ کو چونکہ شہادتوں سے مخصوص نسبت ہے۔ اس تاریخ کو حضرت امام حسینؑ پر انتہائے مصائب گُزرے ہیں۔ لہٰذا، وقت عصر تک جو عموماً تمام شہادتوں کی تکمیل پا جانے کا۔ وقت کہا جاتا ہے، کچھ لوگ کھاتے پیتے نہیں۔ اِسے ''فاقہ'' کہا جاتا ہے۔ عصر کے بعد، معمول کے مطابق کھانا شروع کیا جاتا ہے۔ اس موقعے پر، حلیم، دال چاول، بیسنی روٹی، اور مختلف قسم کی نیازیں تیار کی جاتی ہیں، اس وقت کو فاقہ شِکنی کا وقت، اور اس کھانے کو فاقہ شِکنی کہتے ہیں۔

قتل گاہ: تعزیوں کے دفن ہونے کی جگہ۔ ''کربلا'' سے ملتی جُلتی ایک اور جگہ ''قتل گاہ'' بھی کہلاتی ہے۔ شہدائے کربلا کی یاد میں مقتولین کی مشہور تعداد (بہتر ـ۷۲) کے مطابق اُن کی قبروں کے مصنوعی نشان ۔ بلتستان اسکردو شہر میں ایک نہایت عمدہ سنگیں عمارت، کشادہ میدان کے درمیان بنی ہوئی، اسی نام سے مشہور ہے۔

قُطّامہ/ علاّمہ: حضرت علی کے قاتل عبدالرحمٰن ابن مُلجَم کی معشوقہ کا نام قُطّامہ تھا۔

اپنے زمانے کی ایک فاحشہ عورت تھی۔ جناب امیر کے قتل پر آمادہ کرنے کے لئے اس نے بھی قاتلوں کو تحریص دلائی تھی۔

لکھنؤ کی تہذیبی معاشرت کے زیرِ اثر مہذّب گھرانوں میں، بُری عورتوں کیلئے جہاں حَرّافہ اور قُطّامہ کے الفاظ استعمال ہوتے تھے۔ وہاں علاّمہ کا لفظ بھی ایک دشنام تھا۔ قدیم عرب معاشرے میں جو عورتیں دعوتِ گناہ کیلئے اپنے گھروں پر جھنڈے لگاتیں تاکہ اُن کی پہچان ہو سکے، اُنہیں علاّمہ کہا جاتا۔ لکھنؤ کی آفریدہ تہذیب نے اس لفظ کو از سرِ نو زندہ کر دیا۔ اور عَلاّمہ بُری عورتوں کیلئے بطور گالی استعمال کیا جانے لگا۔

قَمہ: (ق ـ مَ + ہ): ترکی زبان کا لفظ ہے۔ قاف بالفتح ہے۔ ایک اوزار، اسلحہ آلہ ضرب۔ اُردو میں چُھری کے مشابہہ کہا جا سکتا ہے۔

قَمہ کا ماتم: چھوٹے پتّوں کی شکل پر بنی ہوئی چُھریاں یا جنہیں ''چھری کا پَھل'' کہا جا سکے، لغات العزا میں قَمہ کہلاتی ہیں۔ زنجیر سے جوڑی جاتی ہیں۔ اِن چُھریوں کو زنجیر کے جھٹکے کے ساتھ اپنے سینے اور کندھے کے دائیں بائیں مارا جاتا ہے۔ اِسے قَمہ کا ماتم کہتے ہیں۔ عشرے کی آخری

تاریخوں میں خصوصاً مجلس کے اختتام پر یا جلوس کے دوران یہ ماتم کیا جاتا ہے۔

کلاوہ: ممکن ہے یہ لفظ کبھی قلادہ (گردن کا بوجھ) ہو۔ واوٗ، دال سے مماثلت کی بنا پر عوام میں دال سے بدل گئی ہو۔ قاف کی آواز، عوام میں ''کاف'' سے ویسے ہی عام ہے۔
بہرحال اہلِ لغت نے اسے ''فارسی'' کا لفظ کہا ہے۔ اسم مذکّر ہے۔ کچے سُوت، دھاگے کو کہتے ہیں، سُرخ زرد، گنڈے دار بھی ہوتا ہے۔ بیاہ، شادی، منّت یا سہاگ پُڑے میں باندھتے ہیں۔ اصطلاح عزا میں یہ مَنّت کا وہ دھاگہ ہے جو اہل حرمؑ کی اسیری اور قید و بند کی یاد میں گلے میں بشکل طوق اور ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑی اور رسّی کے طور پر ڈالتے ہیں۔ یہ نذر و نیاز اور مُراد برلانے کی نیّت سے بھی پہنتے ہیں۔

کربلا: ہندوپاک کی اصطلاح عزاداری میں شہر، بستی یا کسی قریے کا وہ مقام بستی سے ذرا دُور جہاں عاشورہ کے دن تعزیے لے جا کر دفن کیے جائیں۔ جیسے لکھنؤ میں تال کٹورے کی کربلا کبھی مشہور تھی، یا دلّی میں علی گنج کی کربلا۔ جہاں کی

گاجریں نہایت سُرخ، میٹھی اور خوش قامت ہونے کے
سبب، سبزی فروش شاہ مرداں (حضرت علیؑ) کی لاڈلیاں
کہہ کر بیچتے تھے۔

گونڈے: (کُ ۔و۔ن + ڈے)

ہندی لفظ کونڈا، اسم مذکر ہے۔روغنی مٹی کی پرات،
تسلا، چوڑے سینے کی ناند، جس میں یہ نیاز رکھی جاتی
تھی۔۲۲ رجب کو حضرت امام جعفر صادق کی نذر کے
طور پر یہ نیاز پکائی جاتی ہے۔
اب سے کوئی پچاس، ساٹھ برس پہلے تک صرف میٹھی
اور نمکین پوریاں، اس نیاز میں، سوا پاؤ میدہ، سوا پاؤ گھی
کو ملا کر بنائی جاتی تھیں پھر جب معاشرے میں
سبقت اور نمائش نے زور پکڑا، لوگوں نے اپنی اپنی
حیثیت کے مطابق اس میں اضافہ شروع کر دیا۔ کھیر،
حلوہ، نان، پوڑا، کتلما، پراٹھے، پوریاں سب کچھ ہی
رکھا جانے لگا اور اب تو بعض صاحب حیثیت لوگ
کڑھاؤ بھی چڑھانے لگے ہیں۔ برصغیر کے اکثر
مسلمانوں میں خواہ وہ سنی ہوں یا شیعہ یہ نیاز خیرو

برکت کے طور پر رائج ہے۔۲۲ رجب سے یہ بات آگے بڑھی، ۲۷ رجب تک جا پہنچی بلکہ یہ سلسلہ بصورت ''قضا'' رجب سے آگے بھی آ نکلا۔

اس نیاز کے حوالے سے ایک معجزہ (نثر میں ایک کہانی) پڑھا جاتا ہے، یا پھر جمیل نامی شاعر کی نظم جو اس واقع سے متعلق ہے باکثرت پڑھی جاتی ہے۔نام اس کا داستان عجیب ہے۔جس کا لب لباب یہ ہے کہ امام جعفر صادق کے نام کی اس نیاز کے طفیل ایک لکڑ ہارے کے دن پھرے اور وہ سخت مرحلوں سے گزر کر کامیاب ہوا۔گو کہ اس واقع کی صداقت پر اہل علم کو زیادہ اعتبار نہیں۔

حضرت امیر منائی، شاہ مینا لکھنوی کے مرید خاص تھے ،حنفی المسلک صوفی بزرگ تھے، یہ نظم یا لکڑ ہارے کے اس واقع کا منظوم کرنا ان سے قطعاً کوئی نسبت نہیں رکھتا ان کی طرف اس واقعے کو نظم کرنے کا انتساب، علم و ادب، اور شعر سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

مجلس چاندرات کی: یکم عشرہ محرم شروع ہونے سے قبل رات والی مجلس۔

مخصوصی کی مجلس: ایک خاص شخصیت (شہید) کی مخصوصی۔
شہادت کے یوم پر برپا ہونے والی مجلس یا سال کے کسی
ایک دن کسی مقام پر مجلس عزا کا اہتمام ہونا۔

ماتم: عربی کا لفظ: اسم مذکّر۔ بمعنی سوگ، مصیبت، رنج وغم۔ تا بالفتح۔ مگر اصطلاح عزا میں، حضرت امام حسینؑ کی یاد میں ماتم کرنے کو "ماتم" کہتے ہیں اور ماتم کرنے والے کو ماتم دار۔ سینے پر ہاتھ سے ضرب لگانا۔ یا زنجیر کے ساتھ ضرب لگانا ماتم کہلاتا ہے۔
پہلے رواج تھا کہ خاتمۂ تقریر پر جب مجلس کھڑی ہو جائے تو آمنے سامنے ماتم کیلئے صفیں بنائی جاتی تھیں، ایک صف "حسینؑ" کہتی اور دوسری مقابل صف، امام حسنؑ کا نام "حسنؑ" لیتی۔ کہیں کہیں آمنے سامنے دوزانو بیٹھ کر بھی یہ ماتم کیا جاتا ہے۔ پھر اس طریق میں مختلف علاقوں کے اپنے اپنے رواج شامل ہوتے گئے، اب جو ماتم کیا جاتا ہے، اُس میں، علی مولا، یا ہائے سکینہ ہائے عباس، یا اسی قسم کے اور الفاظ بھی شامل ہو چکے ہیں۔ ماتم کی ضرب پر، اب حضرت امام حسن کا نام لینا رواج میں عام نہیں رہا۔
"آ پھنسے کی یا حسینؑ" بھی اُسی دور سے تلمیح چلی آتی ہے،

جب ماتم کی صفوں میں صرف ''یا حسینؑ''، ''یا حسنؑ'' کی صدا آتی تھی۔ کہتے ہیں کہ کوئی اجنبی شخص ماتم کے حلقے میں آ گیا، اُسے پتا نہ تھا، اور نہ وہ زور شور کے ماتم میں یہ سمجھ سکا کہ کیا کہا جا رہا ہے؟ ہائے ہائے اور حسینؑ سے ملتے جُلتے لفظ وہ سُن سکتا تھا، مجبوراً اُسے بھی ماتم کرنا پڑا، کسی نے اُس سے پوچھا: تُم نے کیا کہا؟ وہ بولا، ''آ پھنسے کی یا حسینؑ'' لہٰذا یہ الفاظ، مجبوری کے اظہار میں بھی اب استعمال ہوتے ہیں۔

ماتم/زنجیر کا/آگ کا/ ''زنجیر کا ماتم''، ''زنجیر زنی کرنا'' بھی، ماتم کی اصطلاح ہیں۔ ماتم داری، ماتم کرنا، ماتمی جلوس، ماتمی انجمن، ماتمی دستہ بھی اسی قبیل کے الفاظ ہیں۔

آگ کا ماتم بھی ایک رسم ہے۔ امام عالی مقام کی یاد میں آگ پر چل کر ماتم کیا جاتا ہے۔ زمین کے ایک مقررہ رقبے میں آگ روشن کی جاتی ہے۔ جب شُعلے بیٹھ جاتے ہیں، اس آگ پر سے برہنہ پا، ''علیؑ، علیؑ، حسینؑ، حسینؑ'' کہتے ہوئے گذرا جاتا ہے۔

مجلس: عربی زبان کا لفظ۔ اردو میں مخصوص معانی میں، حضرت امام

(م+ج-ل+س) حسینؑ اور اہل بیت عظام کے ذکر والے اجتماع کو کہتے ہیں۔
میم بالفتح، لام بالکسر۔

مردانی مجلس: وہ مجلس جس میں مرد آتے ہوں۔

زنانی مجلس: وہ جو عورتوں سے مخصوص ہو۔

بچگانی مجلس: وہ جو بچوں سے مخصوص ہو جس کا اہتمام بچے کریں، جس میں بچے شریک ہوں۔ اسے بعض علاقوں میں (یُو پی کے) کاف کے اِملا کے ساتھ بچکانی مجلس بھی کہتے ہیں۔

مَنّت کی مجلس: کوئی شخص مراد مانگے، پوری ہو تو ذکر امام حسینؑ کرے۔

مجلس شب عاشور: ۹۔محرم گذار کے جو شب کو مجلس کی جائے۔

مجلس شام غریباں: دس محرم کی شام کو یا شب پڑنے کو مجلس کی جائے۔

مجلس دیسا: دیسا ہندی کا لفظ ہے: کسی شخص کی برسی پر جو مجلس امام حسینؑ برپا کی جائے "دیسے کی مجلس" بھی کہلاتی ہے۔

مجلس اُٹھنا: مجلس پڑھنے والا جب کامیاب مجلس پڑھے، لوگ توجہ سے سُنیں تو یہ اصطلاح بولی جاتی ہے۔ کہتے ہیں، مجلس خوب اُٹھی۔

مجلس بیٹھنا: جب مجلس پڑھنے والا، اہلِ مجلس کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے، لوگ زیادہ واہ واہ نہ کریں تو کہا جاتا ہے، مجلس بیٹھ گئی۔

مآلِ مجلس: بُکا، گریہ، رقّت کو کہتے ہیں۔

شبوں کی مجلس: ۱۹، ۲۰، ۲۱ رمضان کی مجالس جو شہادت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کی یاد میں کی جائیں۔ روایت ہے کہ حضرت

نے ۱۹، ۲۰ زخم کی شدّت میں گذارے اور اکیس رمضان کو شہادت پائی۔

مجلس شب بیداری: تقریباً تمام شب مجلس امام حسینؑ میں گذارنا، ذکر فضائل و مصائب کے ساتھ ماتم داری کا خصوصی انتظام کرنا، جدید اصطلاح ہے قُدماء میں رائج نہ تھی۔

مجلس میں شمر کی ہڈی گڑی ہے: بعض اہلِ لکھنؤ اور رائے بریلی کے بڑے بوڑھوں سے سُنا ہے جب کسی مجلس میں رقّت نہ ہو، ذاکر کی پرزور کوشش کے باوجود لوگوں میں گریہ نہ ہو سکے تو اس مجلس کے منتظمین کے بدخواہ طنزاً کہتے ہیں، یہاں کہیں شمر کی ہڈی گڑی ہے۔

مجلس کو پیٹھ دینا: مجلس کے بُلاوے پر مجلس میں نہ جانا۔

(مجلس) بشارت کی: اصل میں تلفظ اس کا "با" بالضّم ہے، مگر اردو میں "با" بالکسر رائج ہے۔ اور بالفتح بھی۔ عربی کا لفظ ہے۔ جب کوئی شخص خواب دیکھے کہ کہیں مجلس برپا ہے اور وہ اس مجلس میں شریک ہے۔ گویا یہ خواب بشارت ہے، چنانچہ خواب دیکھنے والا ذِکر حسینؑ کا اہتمام کرے، یہ "مجلس بشارت" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایسے خوابوں میں کبھی کبھی کوئی بزرگ روحانی، بھی "مجلس" برپا کرنے کی خواہش کرتا ہے، اُسے بھی خواب دیکھنے والا مجلس کی بشارت جانتا ہے۔

مجلس کا ''بُلاوہ'': اسم مذکر۔ خالصۃً اردو ہندی کا اپنا ساختہ لفظ ہے۔ بُلوانا، بُلانا فعل سے اسم بنایا گیا ہے۔ یہ اصطلاح عورتوں میں زیادہ مقبول ہے۔

''مجلسِ امام حسینؑ'' کے لیے لوگوں کو گھر گھر اطلاع دی جائے، قدیم تہذیب میں یہ کام خاندانی نائی یا ''نائین'' کیا کرتے تھے۔ بعض مقامات پر یہ بُلاوہ کاغذ پر درج فرد کے ذریعے بھی کیا جاتا ہے۔

ایک طریقہ آجکل جو رائج ہے، وہ بعد مجلس، اعلان بھی ہے۔

مُحرّم
(مُ۔حَ + رْ۔رَ + مُ) عربی زبان کا لفظ۔ اسم مذکر۔ اسلامی سال کا پہلا مہینہ۔ لُغوی معنی حرام کیا گیا، جسے کسی خاص اعتبار سے احترام دیا گیا۔ چنانچہ عربوں کے نزدیک ایام جاہلیت میں بھی اس مہینے جدال وقتال، مار پیٹ، لوٹ لاٹ ممنوع تھی۔

اصطلاح عزا میں وہ مہینہ، جس کے پہلے دس دن، حضرت حسینؑ ابن علی اور اُن کے رفقاء کی شہادت کے ذکر سے مخصوص ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے، جو ۶۰ ھجری میں آیا۔ (یا بقول بعض ۶۱ھ) جس میں واقعہ کربلا پیش آیا، ہر سال نہایت زور وشور سے بلکہ ہر برس، پہلے برس سے کہیں

زیادہ جوش اور ولولے کے ساتھ، مراسم عزا بجا لائے جاتے ہیں۔ شہدائے کربلا کے سوگ کا مہینہ۔ خاص طور پر پہلے دس دن۔ جنہیں ''عشرۂ محرم'' کہا جاتا ہے۔

محرّم کا عشرہ: عشرہ محرّم: مُحرم کے مہینے کے پہلے دس دن، جن کا آخری دن، عاشورہ، یا عاشور کہلاتا ہے۔ اس عشرے کے بعض دن (تاریخ ہائے محرم) بعض شہادتوں کے ذکر سے مخصوص بھی کیے گئے ہیں۔ ہر چند کہ اِن مخصوص تاریخوں میں یہ شہادتیں واقع نہیں ہوئیں اِن شہادتوں کے ذکر سے مخصوص تاریخوں میں کچھ مقامات پر معمولی تبدیلیاں بھی نظر آتی ہیں۔ تاہم رواج عام یہ ہے:

پہلی پانچ تاریخوں میں، اصحاب و انصار حسینؑ، اطفال و اعزہ کا ذکر۔ پھر جناب قاسمؑ، جناب علی اکبرؑ، جناب عباسؑ، جناب علی اصغر کا ذکر۔ ۷ محرم کو خصوصاً، جناب قاسم ابن حسن کے واقعات وغیرہ کا ذکر۔

محرم کا چاند: یکم ماہ محرّم کا چاند: علامتِ غم کے طور پر آتا ہے۔

مُحرّم کا سپاہی: ایک رسم ہے۔ مائیں اپنے بیٹوں کو امام حسینؑ کا سپاہی بنا

کر جلوس عزا میں بھیجتی ہیں۔ چونکہ امام حسینؑ نے فرمایا تھا:
کیا کوئی ہے جو ہمارا رفیق اور مددگار بنے؟ اُس کے
جواب میں یہ سپاہی بنائے جاتے ہیں۔ اس عہد کے
نبھانے میں ایک حُسنِ خیال یہ ہے کہ بچے سپاہی بن کر،
اپنے بڑے ہونے تک تاعمر یہ عہد یاد رکھیں۔
کہاوت میں کہا جاتا ہے: رمضان کے نمازی۔ محرم کے
سپاہی یعنی عارضی اور چندروزہ فرض گذار۔

محرم کا فقیر/فقیرنی: عشرہ محرم کے دوران بعض والدین، بچوں کو صحت یابی،
بحالیٔ طبیعت اور خوشحالی کی دعا کے طور پر امام حسینؑ کا فقیر
بنا دیتے ہیں۔ یہ بچے از رہ تبرّک امام حسینؑ کی نذر (پیسے
وغیرہ) بھی مانگتے ہیں۔

محرم کی پیدائش: روتا بسورتا شخص، رونی صورت بنائے ہوئے۔ ماتمی شکل
کا۔ رنجیدہ، غم گسار۔
یعنی رونے والے مہینے میں پیدا ہوا۔

مرثیہ: عربی کا لفظ:
(مَ+رْ ـ ثِ ـ یَ+ہْ) عزاداری کی لغت میں وہ شاعری، جس میں شہدائے کربلا

کا ذکر کیا جائے۔ خاص الخاص انہی معنوں میں مرثیہ کہلاتی ہے۔

مرثیہ کھڑے ہوکر بھی پڑھا جاتا ہے، جیسے پنجابی، سرائیکی، سندھی مرثیہ۔

مرثیہ تحت اللفظ بھی پڑھا جاتا ہے، فن کارانہ ہنر مندی کے ساتھ منبر پر الفاظ و احساسات و واقعات کا بھرپور تاثر ظاہر کر کے۔ جیسے بعض اہل کمال مسدس مرثیہ پڑھتے ہیں۔

مرثیہ: تخت پر یا فرشی نشست پر ہم نواؤں کے ساتھ (اور فرداً) بھی پڑھا جاتا ہے۔ عموماً وہ اشعار جو مسدس سے منتخب کئے جائیں اور اُن میں حُزنیہ بُکائیہ پہلوئے معانی ہو سوز کہلاتا ہے۔ سوز انفرادی طور پر بھی پڑھا جاتا ہے اور دو تین ہم نواؤں کے ساتھ مل کر بھی۔ لیکن ان اشعار کے لئے مسدس سے ماخوذ ہونا ضروری نہیں۔

وہ اشعار جن میں شہدائے اہل بیت، غازیانِ کربلا، اور آلِ محمدؐ کی مدح و ثناء اور تسلیم کا پہلو، ہو، دنیا کی بے ثباتی، حق کی فتح، راہِ خدا میں مرجانے والوں کی عظمت و حرمت کا بیان ہو، سلام کے اشعار کہلاتے ہیں۔

جب ہم کہیں کہ ابھی مجلس میں سوز و سلام ہو رہا ہے، اس سے یہی سلام مراد ہوگا جو تخت یا شہ نشین پر بیٹھ کر سوز و سلام

پڑھنے والا فرداً یا اپنے بازوؤں (ہم نواؤں) کے ساتھ آغاز وابتدائے مجلس میں پڑھتا ہے۔ ''سلام'' (بہ پیرایۂ صنفِ غزل) کوئی صاحب شعر وسخن جو صنف غزل کی صورت میں مدح اہل بیت میں اشعار، مجلس کی ابتداء میں پڑھے۔ اُسے بھی ''سلام'' کہتے ہیں۔ مرثیئے کی قبیل معانی سے نوحہ بھی ہے۔ دیکھئے ''نوحہ''

مرثیے کا بند: مسدس مرثیے کی ہیئت ترکیبی کا ایک جزو، (چھے مصرعے)۔ تین اشعار، بند کہلاتے ہیں۔

مرثیے کی ٹیپ: (ٹِ+ی+پ) بند کا تیسرا شعر، یعنی پانچواں چھٹا مصرعہ ٹیپ کہلاتا ہے۔ بہت بھرپور تاثر اور کیفیّت خیال کا حامل ہوتا ہے۔ عموماً مقفّٰی اور مردّف ہوتا ہے۔

مَنّت: (مَ+ن ـ نَ+ت) میم بالفتح۔ بطور اسم، ہندی کا لفظ ہے۔ ماننا، مصدر سے ہے۔ البتہ (مِ +ن ـ نَ +ت) میم بالکسر بمعنی خوشامد، اظہارِ ممنونیت، جو لفظ آتا ہے وہ ''عربی'' ہے۔

اصطلاح عزا میں یہ ہندی والا لفظ، منّت کے معنوں میں نیاز مانگنا، خواہش کی تکمیل چاہنا، چڑھاوے کا وعدہ کرنا، یا وعدہ پورا کرنا ہے۔ یہ عہد، خواہش کی تکمیل ہو جانے پر پُورا

کیا جاتا ہے: بصورتِ مجلس، نیاز نذر، عمارت کی تعمیر (بہ ذکرِ حسین) زیارت ائمہ، قیدی امام حسین کی یاد میں بنّا: یہ منّت طرح طرح سے پوری کی جاتی ہے۔ بعض لوگ کسی خواہش کی تکمیل کیلئے منبر حسینؑ کے پائے سے بعض علم عباس کے کسی گوشے سے بعض امام باڑے کے سُتون سے چند لمحوں کے لئے اپنے آپ کو باندھ لیتے ہیں۔ اور نیّت دعا کرتے ہیں، اور کسی نذر کی حسبِ توفیق نیّت باندھتے ہیں۔

بعض لوگ اولاد کی شدید خواہش یا کسی بڑے جذباتی مقصد کیلئے منّت مانگتے ہیں۔ اس خواہش کے لئے ضروری نہیں کہ خاص فرقے یا مذہب کا شخص ہو۔ دربارِ حسینؑ سے جو شخص بھی مُراد چاہے، اور پُوری ہو تو وہ اس عہد کو پورا کرتا ہے

جیسے لکھنؤ امین آباد کے چوک میں مسجد پنڈ تائن اور امام باڑہ، یا ملتان میں عمر علی کھوکھر کی کربلا، ایسی ہی منّتوں کے پورا ہونے کی مثال ہیں۔

منّت کا چڑھاوا: منّت کی ایک قسم "چڑھاوا" بھی ہے۔ جب کسی شخص کی مُراد، جو اس نے، ذوالجناح، علم، ضریح، عزا خانے یا ایسے تبرّکات میں سے کسی کے پاس، مانگی، پُوری ہوئی تو وہ نذر کے طور پر، چادر، علم، علم کا پٹکا، پنجہ، یا کوئی رقم، یا کسی طرح کا

زیور یا کوئی بھی چیز وہاں بطور نذر لاتا ہے۔ اسے منّت کا
''چڑھاوا'' کہتے ہیں۔

مَنّت کا ایک اور حوالہ، اہلِ بیت سے انتہائی نیازمندی کے اظہار میں اولادِ نرینہ کا نام رکھنا ہے۔ خاص طور پر نسبت ''کلب'' اختیار کرنا۔ ہماری تاریخ کے بڑے بڑے لوگوں کا نام، بلا تفریق کے مسلک، ایسا ہی تھا، جیسے نواب رام پور، ہز ہائی نس کلب علی خان، جیسے ایک ادیب کلب علی خان فائق، جیسے شیعہ مجہتدین کے گھرانے کے نام، کلب جعفر، کلب صادق، کلب حسینؑ۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے، ان کے ماں باپ نے نام اسی نسبت سے ان کا ''کلب'' رکھا، مگر بڑے ہو کر وہ محجوب ہوئے اور انھوں نے اس نام کی املا ''قلب'' سے بدل لی، مگر یہ طریقہ اب کا ہے، پہلے نہ تھا۔

محرم کا مسالہ: نو (۹) محرم کی شب والی مجلس کے جلوس میں ایک تبرک تقسیم ہوتا تھا، اس کے اجزا تھے۔ رنگین

کھوپرا، رنگین سونف، ثابت خشک دھنیا، مصری کی ڈلیاں۔ ان سب چیزوں کو محرم کا مسالہ کہتے تھے۔ جلوس میں یہ نیاز زیادہ تر حضرات اہل تسنن کی طرف سے پیش کی جاتی تھی۔

مَنّت بڑھانا: جب کوئی مُراد، منّت اور دُعا پوری ہو جائے، وعدہ خواہش کے مطابق وہ نذر ادا کی جائے، تکمیل خواہش پر ایسی نذر، نیاز اور چڑھاوے کو ''منّت بڑھانا'' کہتے ہیں۔

مَنّت کی (ہنسلیاں بڑھانا): حضرت سید سجاد علی ابن الحسین کی یاد اسیری میں ہر برس محرّم کے موقع پر گلے میں طوق ڈالنا۔

مہندی: (قاسم کی مہندی) اردو، ہندی کا اپنا لفظ ہے۔ اسم مؤنث ہے۔ اِس کی ایک اِملا مِنہدی بھی (مِ+ن+ہِ+د+ی) کی گئی ہے۔ مراسم عزا میں اِس کا خاص مطلب ہے۔ محرم کی سات تاریخ کو، جب بعض عزا خانوں میں حضرت قاسم ابن حسن کا ذکر کیا جاتا ہے (بعض جگہوں پر چھٹے محرم کو) تب مثل ضریح یا تعزیہ، ایک ڈھانچہ لکڑیوں کا بنا کر اُسے سجایا جاتا ہے، پھول، گہنے، پات پتّے اور عروسی کی لڑیاں وغیرہ اُس پر ڈالی جاتی ہیں، یہ زیارت جب برآمد ہوتی ہے، اِس کے ہمراہ ماتمی حضرات (خواتین) ایسے اشعار، مراثی، نوحے وغیرہ

پڑھتے چلتے ہیں۔ اِسے قاسم کی مہندی بھی کہتے ہیں۔ حضرت قاسم کی واقعات کربلا کے دوران شادی کے معاملے کی صحت پر بعض علماء نے خاموشی اختیار کی ہے۔ بعض نے لکھا بھی ہے۔ ہمارے دور کے ایک مشہور افسانہ نگار سید قاسم محمود نے، اس عنوان پر امرت سر پنجاب وغیرہ کے فسادات ۴۷ء کے حال میں ایک عمدہ افسانہ بھی لکھا۔ اور اسی افسانے کو عنوان بنا کر، اپنے افسانوں کے مجموعے کا نام بھی ''قاسم کی مہندی'' رکھا۔

مخصوصی: مخصوصی کا ایک مفہوم، عشرہ محرم (دس دن کی مجالس) کی چند آخری تاریخوں، ۶، ۷، ۸، ۹ کی مجالس بھی ہیں۔ بعض علاقوں میں چھٹی محرم کو حضرت علی اکبر کی شہادت، ساتویں کو جناب قاسم، آٹھویں کو حضرت عباس اور نویں کو جناب علی اصغر کی شہادت کے ذکر سے مخصوص کیا جاتا ہے اور ان مجلسوں میں زیارتیں بھی نکالی جاتی ہیں۔ واضح رہے کہ عشرہ محرم کی ان تاریخوں میں یہ شہادتیں واقع نہیں ہوئیں، ان سب کا محل عاشور کا دن ہی ہے۔ یہ محض اس لئے

ہے کہ ان شہداء کو بالخصوص خراج عقیدت پیش کیا جا سکے۔ جب کہ عشرے کی باقی تاریخیں دیگر اصحاب وانصار کے ذکر سے منسوب کی جاتی ہیں۔

نذر اللہ، نیاز حسینؑ: فقیروں کی صدا ہے۔ طلب خیرات کے وقت کہتے ہیں۔ برصغیر کے اکثر فقراء و مساکین کے زبان زد فقرہ ہے۔

نَوحہ: (نَ+وْ-حَ+ہْ) یہاں ''نَو'' بروزن سَو (۱۰۰)، نَو (۹) ہے، بر وزن دو (۲)، رو (رونا) نہیں ہے۔

عربی زبان کا لفظ، اسم مذکّر، بمعنی آہ و بکا، ماتم، گریہ۔ وہ اشعار جن میں حُزن و ملال ہو، واقعات شہادت پر تأسّف کا اظہار ہو۔ صنفی اعتبار ہیئت پر غزل کے سانچے میں ہوں۔ بعض نوحے مُستزاد بھی ہیں۔ مجلس کے خاتمے پر، یا جلوس کے دوران حلقے بنا کر پڑھے جائیں۔

نوحے کے ساتھ ساتھ ماتم بھی کیا جاتا ہے۔ عموماً درمیان حلقہ نوحہ خواں ہوتا ہے۔ اِرد گرد یا سامنے ماتم دار ہوتے ہیں۔ میر تقی میر ؎

مرغان باغ نے مُجھے گھیرا ہے اس طرح
ماتم زدوں کے حلقے میں جُوں نوحہ گر رہے

لعن: شب عاشور، (۹۔محرم گذار کے) امام حسین کے اور اصحاب حسین کے قاتلوں پر نفرین ولعن کا ذکر کرتے رہنا۔

نویں: ۹۔ربیع الاول، جب سوگ بڑھا دیا جاتا ہے۔خواتین اتاری ہوئی چوڑیاں پہن لیتی ہیں۔

نوحہ/فریادی: فریادی نوحہ: مشکل اور مُصیبت کو ٹالنے کیلئے عموماً عورتیں اور بچے جمع ہو کر صرف نوحے کی مجلس کرتے ہیں، اسے فریادی نوحہ کہتے ہیں۔فریادی، ماتم بھی انہی معنوں میں آتا ہے۔

نوحہ/خوانی/خواں: نوحہ پڑھنا۔نوحہ پڑھنے کا ہُنر، التزام فن کے ساتھ نوحہ خوانی کہلاتا ہے۔ پڑھنے والے کو نوحہ خواں کہتے ہیں۔

ہزاری روزہ: اہلِ لکھنؤ، کبھی ۲۷ رجب کا روزہ مستحب جان کر رکھتے تھے عہد آصفی کے علماء نے اس رائے کو عام کیا تھا۔ روزے دار سے، ''سوال خدا'' کہہ کر، گلوری، پان کی، کھجور، یا ڈلی مصری کی، الائچی یا کسی اور کھانے پینے کی ہلکی پُھلکی شے پیش کر کے روزہ کھولنے کی درخواست کی جاتی۔علماء کا کہنا تھا کہ اس مستحب روزے کا ثواب ہزار روزوں کے برابر ہے۔شاید انہی معنوں میں اس کا نام

ہزاری روزہ پڑا۔ انشاء اللہ خاں اؔنشا، فرماتے ہیں۔ مضمون ریختی میں ہے ؎

میں ترے صدقے نہ رکھ اے مری پیاری روزہ
بندی رکھ لے گی ترے بدلے ہزاری روزہ

ہمارے عہد کے ایک نہایت معتبر اہل قلم علامہ علی نقی (نقّن صاحب) نے اپنی کتاب ''نظامِ زندگی'' میں اس روزے کا ذکر انہی معنوں میں کیا ہے۔

(جملہ حقوق بحق مصنف)

بحر اردو میں

نام کتاب: لغات العزا

مصنف: ڈاکٹر اسد اریب

سنہ اشاعت: سنہ ۲۰۱۰ء

ملنے کا پتا: کتاب نگر: حسن آرکیڈ ملتان